

اسباب و اعمال اور تدبیر و توکل کا شرعی درجہ

اور

دعوت و تبلیغ سے متعلق چند ضروری اصلاحات

قرآن و حدیث اور فقہاء و محدثین کے کلام کی روشنی میں

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی^{رحمۃ اللہ علیہ}

انتخاب و ترتیب اور تقدیم

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگاہ ہردوئی روڈ لکھنؤ

تفصیلات

- نام کتاب اسباب و اعمال اور تدبیر و توکل کا شرعی درجہ
- افادات حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ
- انتخاب و ترتیب محمد زید مظاہری ندوی
- سن اشاعت ۱۴۳۵ھ
- صفحات ۲۱۶
- قیمت ۱۳۰/۱ روپے
- ویب سائٹ WWW.alislahonline.com

ملنے کے پتے

- ☆ دیوبند و سہارنپور کے تمام کتب خانے
- ☆ افادات اشرفیہ دو بگا ہر دوئی روڈ لکھنؤ
- ☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ
- ☆ مکتبہ رحمانیہ ہتورا، باندا، پن کوڈ: ۲۱۰۰۱
- ☆ مکتبہ الفرقان نظیر آباد لکھنؤ
- ☆ مکتبہ اشرفیہ ۳۶، محمد علی روڈ بمبئی ۹

فہرست

- ۱۲ تصدیق و تائید حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند
- ۱۴ تصدیق و تائید حضرت مولانا محمد سلمان صاحب ناظم مظاہر علوم سہارنپور
- ۱۶ مقدمہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- ۱۸ مقدمہ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند
- ۲۳ تقریظ شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب ڈابھیل گجرات
- ۲۷ عرض مرتب
- ۲۷ اس رسالہ کے لکھنے کی وجہ
- ۳۰ دعوت و تبلیغ میں غلو کی چند مثالیں
- ۴۱ علمائے کرام کی خدمت میں عاجزانہ گزارش
- ۴۹ علماء کی ذمہ داریوں سے متعلق حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے چند ارشادات
- ۵۳ حضرت تھانویؒ کی تصنیفات و تعلیمات مولانا الیاس صاحب گاندھلوی کی نظر میں
- مقدمۃ الکتاب
- ۵۴ اسباب و اعمال اور تدبیر و توکل کا شرعی درجہ
- ۵۴ اسباب و اشیاء کی اہمیت قرآن کی روشنی میں
- ۵۶ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کے منافع اور ان کے خواص کو اسباب سے مربوط کر رکھا ہے
- ۵۷ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے
- ۵۹ انبیاء علیہم السلام اور اسباب معاش
- ۶۲ نہایت ضروری تنبیہ
- ۶۴ ظاہری اسباب کی اہمیت قرآن کی روشنی میں

- ۶۷ جتنا بس میں ہو اور جس قدر اسباب سے قرب ممکن ہو اس کو اختیار کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے
- ۶۹ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب کی تحقیق و تشریح
- ۷۲ صحابہ کرام کے نزدیک اسباب کی اہمیت
- ۷۵ اہل ایمان و اہل کفر کے اسباب اختیار کرنے میں بنیادی فرق
- ۷۶ اسباب کے تعلق سے چند فقہاء و محدثین کی تصریحات
- ۷۶ اسباب اختیار کرنے کو خلاف توکل کہنے کا نظریہ خلاف شریعت ہے
- ۷۶ حضرت امام محمدؒ کا فیصلہ
- ۷۸ اسباب اختیار کئے بغیر تو حید کامل نہیں ہو سکتی، علامہ ابن قیمؒ کا فیصلہ
- ۷۹ علامہ ابن قیمؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نزدیک توکل کی حقیقت
- ۸۰ اسباب اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں، امام طبریؒ اور حافظ ابن حجرؒ کا فیصلہ
- ۸۲ دنیا دار الاسباب ہے یہاں تو اسباب اختیار کرنا ہی اللہ کا حکم ہے
- ۸۲ ابن الحاج مالکی کا فیصلہ
- ۸۳ توکل کے لئے ترک اسباب ضروری نہیں، امام غزالی شافعیؒ کا فیصلہ
- ۸۴ اسباب اختیار کئے بغیر تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا، حضرت تھانویؒ کا فیصلہ
- ۸۵ اسباب چھوڑ کر توکل کرنا تعلیم قرآن کے خلاف ہے، مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا فیصلہ
- ۸۶ اسباب کا منکر زندق اور صرف اسباب پر نظر رکھنے والا مشرک ہے
- ۸۶ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کا فیصلہ
- ۸۸ اسباب کے تعلق سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے چند ارشادات
- ۹۰ اسباب کی اہمیت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی نظر میں سیرت طیبہ کی روشنی میں
- ۹۱ پہلے اسباب پھر توکل، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا مختصر مضمون

- ۹۳ علماء اہل سنت والجماعت کا اتفاقی مسئلہ اور تمام فقہاء کا فیصلہ
- ۹۳ اسباب کی تین قسمیں ہیں قطعہ، ظنیہ، وہمیہ
- ۹۶ اسباب ظنیہ وہمیہ کے تعلق سے ایک ضروری وضاحت
- ۹۶ اس اشکال کا جواب کہ رقیہ کرنے والے اجلہ صحابہ و صحابیات کیا توکل کے اعلیٰ مقام پر فائز نہ تھے؟
- ۱۰۱ رقیہ کے متعلق شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کا فتویٰ
- ۱۰۲ رقیہ کی بابت شارح حدیث ملا علی قاریؒ کی تحقیق
- ۱۰۲ صاحب تحفۃ الاحوذی علامہ مبارکپوریؒ کی تحقیق
- ۱۰۳ رقیہ کے متعلق سعودی حکومت کے دارالافتاء کا فتویٰ
- ۱۰۴ واقعی اہم سوال
- ۱۰۵ سوال کا واضح جواب
- ۱۰۶ علامہ ابن قیم اور علامہ قرطبیؒ کی تحقیق
- ۱۰۷ شارح بخاری علامہ عینیؒ کی تحقیق
- ۱۰۷ محدث کبیر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ کی تحقیق
- ۱۰۹ رقیہ کے جواز کی تین شرطیں
- ۱۱۱ خلاف توکل، ممنوع اور ناجائز رقیئے
- ۱۱۴ تنبیہ

اسباب و اعمال اور تدبیر و توکل کا شرعی درجہ

باب

- ۱۱۶ دعا و اسباب اور تدبیر سے متعلق اسلام کی واضح تعلیمات
- ۱۱۸ اسباب کی حیثیت قرآن و حدیث کی روشنی میں

- ۱۱۸ اسباب مؤثر حقیقی نہیں
- ۱۱۸ اسباب کا ثبوت اور اس بات کا ثبوت کہ، مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے
- ۱۱۸ مسبب الاسباب اور مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اسباب کا اختیار کرنا حکمتوں سے خالی نہیں
- ۱۱۹ دعاء کی برکت سے منجانب اللہ اسباب مہیا کر دیئے جاتے ہیں
- ۱۱۹ اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں
- ۱۲۰ ناجائز اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے
- ۱۲۰ اسباب اختیار کرنے کے باوجود پورا اعتماد اور یقین حق تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہئے
- ۱۲۱ جائز تدبیر اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں، یعقوب علیہ السلام کا عمل
- ۱۲۱ مصیبتوں اور پریشانیوں کو دور کرنے کے لئے اسباب کے درجہ میں مخلوق سے مدد چاہنے میں کوئی حرج نہیں، سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کا عمل
- ۱۲۲ کامل بندوں سے اسباب اختیار کرنے کا ثبوت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عمل
- ۱۲۳ تدبیر اختیار کرنے میں اعتدال کی تعلیم سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ
- ۱۲۴ اسباب عادیہ کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں، حضرت داؤد علیہ السلام کا عمل
- ۱۲۴ مخلوق اور اشیاء پر نظر کرنا اور ان کی طرف نسبت کرنا تو حید کے منافی نہیں
- ۱۲۵ سفر میں زاوراہ لینا توکل کے منافی نہیں
- ۱۲۵ اسباب اختیار کرنا واجب ہے کیونکہ اس کے بغیر تقویٰ کا حاصل ہونا مشکل ہے
- ۱۲۶ سیاسی تدابیر اختیار کرنا بھی کمال باطنی اور توکل کے منافی نہیں امت محمدیہ کو اسباب اختیار کرنے کا صریح حکم
- ۱۲۷ خطرات کے موقع پر حفاظت کا سامان رکھنے کی ضرورت
- ۱۲۸ اسباب فتنہ سے بچنا مطلوب ہے

۱۳۹ اسباب بعیدہ جو موجب فتن ہوں ان سے بچنا بھی ضروری ہے
فصل

۱۳۰ اسباب صحت و مرض احادیث مبارکہ کی روشنی میں

۱۳۰ متعدی امراض اور تکلیف دہ اسباب سے پرہیز کرنا شرعاً مطلوب ہے

۱۳۱ اسباب کے درجہ میں امراض بھی متعدی ہوتے ہیں

۱۳۱ صحت و تندرستی کی اہمیت و مطلوبیت

۱۳۳ علاج کی اہمیت اور بد پرہیزی کی ممانعت

فصل

۱۳۵ تدبیر اور ترک تدبیر احادیث مبارکہ کی روشنی میں

۱۳۵ ترک تدبیر تقویٰ و توکل نہیں بلکہ کم ہمتی اور بزدلی ہے

۱۳۵ توکل کے ساتھ تدبیر اختیار کرنے کا حکم

۱۳۶ تدبیر اختیار کرو مگر بھروسہ اللہ ہی پر رکھو

۱۳۶ اللہ پر بھروسہ کرنے کا اثر اور اس کا فائدہ

۱۳۷ رسول اللہ ﷺ نے امت کو اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا

۱۳۷ دعاء کے ساتھ حتی الامکان اسباب سے قرب و تعلق رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، دعاء کے بھروسے اسباب کو نہ چھوڑے

۱۳۸ رسول اللہ ﷺ سال بھر کے خرچ انتظام فرمایا کرتے تھے اور امت کو بھی آپ نے مال روکنے کا مشورہ دیا

فصل

۱۳۹ توحید و توکل کی حقیقت اور اس کے آثار و حدود

۱۴۰ توکل کے لئے ترک تدبیر ضروری نہیں

- ۱۴۰ دعاء کے ساتھ تدبیر اور ظاہری اسباب اختیار کرنا ضروری ہے
- ۱۴۱ یقین کی برکت سے اللہ تعالیٰ بسا اوقات بلا تدبیر بھی دعا قبول فرما لیتے ہیں
- ۱۴۲ دعاء و توکل کے نتیجے میں کرامت کا صدور
- ۱۴۳ توکل کے حدود
- ۱۴۴ اپنے بعد بیوی بچوں کی فکر توکل کے منافی نہیں
- فصل
- ۱۴۵ اسباب و توکل اور تدبیر سے متعلق فیصلہ کن جامع مضمون
- ۱۴۵ اسباب و توکل کی قسمیں اور ان کے شرعی احکام
- ۱۴۵ اسباب کی دو قسمیں، اسبابِ دینیہ و دنیویہ
- ۱۴۵ دنیوی اسباب کی قسمیں
- ۱۴۶ حلال اسباب کی تین قسمیں اور ان کا حکم
- ۱۴۷ تدبیر و اسباب کی مختلف صورتیں اور ان کے شرعی احکام
- ۱۴۸ توکل کے متعلق مختصر جامع کلام
- فصل
- ۱۴۹ اسباب و تدبیر اور دعاء سے متعلق چند اہم ہدایات، اصطلاحات، تنبیہات
- ۱۴۹ اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو محض اسباب سے کچھ نہیں ہو سکتا
- ۱۵۰ مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہیں
- ۱۵۲ تدبیر اختیار کرتے وقت بھی اللہ ہی پر نظر رکھو
- ۱۵۲ اللہ کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنا توکل کے منافی نہیں
- ۱۵۳ تدبیر کی مشروعیت کی حکمت
- ۱۵۳ ترک اسباب کے اقسام و احکام

- ۱۵۴ توکل کا مفہوم اور اسباب کی تین قسمیں
- ۱۵۵ اسباب میں توکل
- ۱۵۵ اسباب کی تینوں قسموں کا خلاصہ
- ۱۵۶ خواص متوکلین کی ایک غلطی
- ۱۵۸ کامل توکل کا تقاضا اور اس کی علامت
- ۱۵۸ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توکل کی حالت
- ۱۶۰ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی حکایت
- ۱۶۰ ہر وقت مسبب پر نظر رکھنے کی ضرورت
- ۱۶۱ ایک شبہ کا جواب
- ۱۶۳ دعاء بھی اسباب توکل میں شامل ہے
- ۱۶۴ دعاء پر بھروسہ کر کے اسباب و تدبیر کو ترک کرنا بڑی غلطی ہے
- ۱۶۴ توکل و تفویض کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تدبیر ترک کر دو
- ۱۶۵ اسباب و تدبیر سے ثمرات و نتائج مقصود نہیں
- ۱۶۵ اتباع شریعت اور حق تعالیٰ کی رضا مقصود ہے
- فصل
- ۱۶۶ دنیا برائے دین مطلوب ہے، دنیا برائے دین بھی طاعت ہے
- ۱۶۶ زہد میں غلو کی ممانعت
- ۱۶۷ کھانے پینے کی چیزوں میں وسعت زہد کے خلاف نہیں
- ۱۶۷ مال و دنیا کی طبعی محبت زہد توکل خلاف نہیں
- ۱۶۹ مال و دولت کی محبت اور حضرت عمرؓ کا ارشاد
- ۱۷۰ مال و عزت کی ضرورت

- ۱۷۰ مال کی اہمیت
- ۱۷۱ مسلمانوں کی کمزوری کا سبب افلاس بھی ہے
- ۱۷۲ بقدر ضرورت مال کو جمع کر کے رکھنے کے ضرورت
- ۱۷۲ دنیا کی حقیقت
- ۱۷۳ دنیا مذموم و محمود کا معیار
- ۱۷۴ دنیا کمانا دین کے منافی نہیں اور دین اس میں روکاٹ نہیں
- ۱۷۴ حب دنیا اور کسب دنیا کا فرق
- ۱۷۶ مال کمانے کا شرعی حکم
- ۱۷۷ ضرورت کے وقت رزق حلال کمانا ذکر و شغل سے بھی فضل ہے
- فصل

- ۱۷۹ دعوت و تبلیغ سے متعلق چند قابل توجہ امور
- ۱۷۹ بعض مبلغین کی بے توجہی و کوتاہی
- ۱۸۰ بعض مبلغین کی نافرہمی و کوتاہی
- ۱۸۱ ایک اور غلطی
- ۱۸۲ وعظ و تبلیغ کا غلط طریقہ
- ۱۸۳ عورتوں کے مجمع میں وعظ و تبلیغ کرنے میں بے احتیاطی
- ۱۸۴ ہمارے اعمال بھی قابل قدر ہیں
- ۱۸۵ تقویٰ کے متعلق غلو اور بعض مبلغین کی غلطی
- فصل

- ۱۸۸ علماء کی اتباع اور ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کی ضرورت
- ۱۸۹ عالم حقانی کی شان

- ۱۸۹ علماء کی ماتحتی میں کام کرنے کی ضرورت
- ۱۹۰ علماء مبلغین و مصلحین کی سختی برداشت کرنا
- ۱۹۱ علماء کا ادب کیوں ضروری ہے؟
- ۱۹۳ علماء پر بیجا الزام
- ۱۹۵ مولویوں اور اہل علم پر تبلیغ نہ کرنے کا اعتراض اور اس کا تحقیقی جائزہ
- ۱۹۶ فقہاء و محدثین کی تصریحات
- ۱۹۹ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کن کن لوگوں پر اور کس صورت میں واجب ہے؟
- ۲۰۱ تبلیغ کے لئے علم کی شرط
- ۲۰۲ جب نفع کی امید نہ ہو نہی عن المنکر کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے
- ۲۰۲ تبلیغ کے بعد اصرار کی ضرورت نہیں
- ۲۰۳ دعوت و تبلیغ میں کسی کے پیچھے پڑ جانے کے نقصانات
- ۲۰۴ تبلیغ میں زیادہ کاوش اور ناکامی پر زیادہ رنج کی ممانعت
- ۲۰۵ غیر مسلموں کو اسلام کی تبلیغ
- ۲۰۵ تکمیل اسلام و تبلیغ اسلام دونوں ہی کی دعوت دینا چاہئے
- ۲۰۶ موجودہ حالات میں مسلمانوں کو تبلیغ کی جائے یا غیر مسلموں کو؟
- ۲۰۷ غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کا طریقہ
- ۲۰۹ مآخذ و مراجع
- ۲۱۲ افادات تھانوی کے متعلق علامہ سید سلیمان ندویؒ کا اظہار خیال
- ۲۱۳ دعائیہ کلمات حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ
- ۲۱۴ دعائیہ کلمات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
- ۲۱۵ رائے عالی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ندوی

تصدیق و تائید

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم دیوبند یوپی

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

جناب مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی کتاب ”اسباب و اعمال اور تدبیر و توکل کا شرعی درجہ“ اور ”دعوت و تبلیغ سے متعلق چند ضروری اصلاحات“ متعدد مقامات سے دیکھا۔

مفتی محمد زید صاحب ایک سنجیدہ اور محتاط عالم دین ہیں، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے افادات کی تلخیص و ترتیب کا مفید کام مدت سے کر رہے ہیں، نیز حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کی خدمت میں عرصہ تک رہ چکے ہیں اور ان کے مکتوبات، ملفوظات اور مواعظ کو جمع کرتے رہے ہیں، اس طرح اکابر کے افادات پر ان کی اچھی نظر ہے، دعوت و تبلیغ کے کام کو بھی بہت قریب سے دیکھا ہے۔

پیش نظر کتاب میں مفتی صاحب نے جس مسئلہ کو اپنا موضوع بنایا ہے وہ بڑا نازک ہے، اس میں افراط و تفریط دونوں خطرناک ہیں، یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی برپا کی ہوئی دعوت و تبلیغ کی محنت ایک مبارک محنت ہے، اس کے مفید نتائج اور اثرات روز روشن کی طرح واضح ہیں، لیکن اس کام کے بے حد پھیلاؤ اور اس کا نظام اکثر و بیشتر غیر علماء کے ہاتھوں میں آجانے کی وجہ سے اس میں

بہت سی بے اعتدالیاں درآئی ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔
یہ کتاب اسی جذبہ سے لکھی گئی ہے، اور اس میں اصل الاصول حضرت تھانویؒ
کے افادات کو بنایا گیا ہے اس لئے کسی اشتعال اور جانب داری کے بغیر انتہائی سنجیدگی
کے ساتھ کتاب کے مندرجات کو پڑھنا چاہئے، اصلاح کی کوشش کرنے والوں کو کام کا
مخالف نہیں سمجھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ مصنف کی محنت کو قبول فرمائے اور دعوت و تبلیغ کی
محنت کو بھی اس کی صحیح شکل اور ترتیب کے ساتھ اپنانے اور اپنا محاسبہ اور اصلاح کرنے کی
توفیق بخشے۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہ

دارالعلوم دیوبند

۲۳/زی الحجہ ۱۴۳۴ھ

تصدیق و تائید

حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب مدظلہ

ناظم مظاہر علوم سہارنپور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ، ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد!

مظاہر علوم سہارنپور کے فارغ التحصیل، ممتاز عالم دین مکرم و محترم مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری مدظلہ العالی کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے اکابر و مشائخ اور بزرگان دین کے ساتھ تعلق و عقیدت اور ان کے ملفوظات و ہدایات کو مرتب کرنے اور جمع کرنے سے ایک خصوصی دلچسپی اور بڑے نرالے انداز اور پوری سنجیدگی اور احتیاط کے ساتھ کام کرنے کی ایسی توفیق عطا فرمائی ہے کہ ان کے درجنوں رسائل اور کتابیں محض ترتیب ہی نہیں بلکہ مستقل تصنیف کا درجہ رکھتی ہیں، خصوصاً حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کے افادات، مواعظ و ملفوظات پر ان کی وسیع نظر ہے، انہوں نے حضرت قدس سرہ کے علوم و معارف کو ایک عرصہ تک حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی قدس سرہ کی سرپرستی اور نگرانی میں ایسے سلیقہ سے جمع کیا ہے کہ وہ اصلاح باطن، درستگی احوال اور دینی افادات کا حامل لٹریچر ثابت ہوا ہے۔

زیر نظر رسالہ ”اسباب و اعمال اور تدبیر و توکل کا شرعی درجہ“ اس میں بھی حضرت تھانوی قدس سرہ کے افادات کو اصل الاصول کا درجہ دیا ہے، اسی ذیل میں انہوں نے

دعوت و تبلیغ کی مبارک خدمت انجام دینے والے دعاۃ دین کو بھی توکل کی تشریح کے سلسلہ میں نہایت مناسب یاد دہانی فرمائی ہے، جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔
اللہ تعالیٰ مفتی صاحب موصوف کی اس محنت اور تمام خدمات دینیہ کو قبول فرمائے اور مزید توفیق نصیب فرمائے۔

فقط والسلام

محمد سلمان

(ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور)

۲۹ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

الحمد لله، والصلاة والسلام على خاتم أنبيائه

محمد وعلى آله وصحبه اجمعين أما بعد

اسلام کو اللہ تعالیٰ نے وہ دین بنایا ہے جو اپنی جامعیت اور مکمل دائرہ کار رکھتا ہے، جو قرآن مجید کی آیت الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (سورۃ المائدہ: ۳) سے واضح ہوتا ہے، یعنی دین مکمل صورت میں اور دینی نعمت اپنے پورے فوائد کے ساتھ اہل اسلام کو عطا کی گئی ہے۔

انسان کو زندگی اس کے خالق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی دی گئی ہے جس میں جسم کے بقاء و صحت کو اس کے رب رب العالمین کی طرف سے مقرر کردہ مقصد تخلیق کے مطابق عمل کو جمع کیا گیا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ”المؤمن القوى خیر من المؤمن الضعیف“ اس میں یہ واضح اشارہ دے دیا گیا کہ اپنی صحت و قوت جسمانی کی طرف توجہ کرو، مؤمن قوی بنو، ضعیف نہ بنو۔

اور ہر انسان کو قدرت کی طرف سے عطا کردہ قوت و صحت کو استعمال کر کے اپنی ضرورت پوری کرنے کی تلقین کی گئی ہے کہ محنت کرے اور کام کرے اور کمائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر عمل بھی کروایا، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو جو آپ کے پاس اپنی حاجت لے کر آیا تھا آپ نے اس سے کہا تھا کہ تمہارے پاس کیا سامان ہے؟ اس نے ایک پیالہ بتایا، آپ نے اس کو طلب فرمایا اور اس کو فروخت کر کے اسی سے اس کے اہل و عیال کے لئے کھانا مہیا فرمایا اور رزق کمانے کے لئے اس کو کلہاڑی بنا کر دی

کہ لکڑی کا ٹوا اور پیچوتا کہ اس سے خرچ چلا سکو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو جو اپنی ساری جائیداد اللہ کی راہ میں دے دینا چاہتے تھے منع کیا اور صرف ایک تہائی کی اجازت دی، اور فرمایا کہ اپنے بچوں کو بے سہارا چھوڑنے کے بجائے ان کے لئے انتظام کر کے جاؤ۔

اس طرح زندگی کی ضرورتوں کے لئے ذرائع اختیار کرنا اور نظم کرنا ضروری قرار دے دیا گیا، اور توکل کی تاکید کے ساتھ اس بات کو بڑے اچھے ڈھنگ سے جوڑ دیا گیا، فرمایا کہ ”اعقلها وتوکل“ یعنی اونٹ کے پیر باندھو تا کہ وہ بھاگ نہ جائے اور بھروسہ کرو اللہ تعالیٰ پر کہ اللہ تعالیٰ ہی کے کرنے سے یہ ہوگا کہ اونٹ بھاگے نہیں، توکل اور دنیاوی ذرائع اختیار کرنے کے عمل دونوں کو اللہ تعالیٰ نے جمع کر دیا، یہ ہے اسلام کی جامعیت، اسلام کی اس جامعیت کا لحاظ کرنے میں کوتاہی ہوتی ہے تو نتائج اچھے نہیں نکلتے۔

مولانا محمد زید صاحب مظاہری ندوی استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور تاریخ اسلام میں پھیلے ہوئے جید ترین علماء اور محققین کے اقوال سے مذکورہ بالا جامعیت کی طرف توجہ دہانی والے احوال کو جمع کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسباب کی فکر کرنا اور ذرائع اختیار کرنا دینداری کے منافی نہیں ہے۔

اسی ضمن میں انہوں نے تبلیغ و دعوت کے بعض کام کرنے والوں کی طرف سے وعظ و تبلیغ کے موقعوں پر توکل کی تشریح دینی کام کی جامعیت سے ہٹ کر کئے جانے کی متعدد مثالیں دیکھیں، لہذا اس سلسلہ میں انہوں نے مثالوں اور حوالوں سے مناسب توجہ دہانی کی ہے، اس طرح یہ کتاب اچھے اور مفید موضوع کی حامل ہوگئی ہے، امید ہے کہ بہت سے لوگوں کی ذہنی گرہیں اس سے کھل جائیں گی۔

محمد رابع حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۰۸/۱۱/۲۰۰۸ھ ۱۵/۰۹/۲۰۱۳ء

مقدمہ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

تدبیر و توکل کی ہم آہنگی: تدبیر کے معنی ہیں مثبت و منفی اسباب اختیار کرنا، مثبت اسباب: یعنی نفع اندوزی کے ذرائع اختیار کرنا، اور منفی اسباب یعنی مضرت کے اسباب سے بچنا، یہ دنیا دار لاسباب ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا سبب بنایا ہے اور یہ اسباب اختیار کرنے (اپنانے) کے لئے پیدا کئے ہیں۔

اور توکل کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، کیونکہ اسباب مؤثر حقیقی نہیں، تمام امور کا آخری سر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہی مسبب الاسباب ہیں، پس مومن اسباب اختیار کرتا ہے، مگر اس پر تکیہ نہیں کرتا، اس کا اعتماد اسباب میں تاثیر پیدا کرنے والی ذات پر ہوتا ہے، اور کافر کا اعتقاد اسباب پر ہوتا ہے، وہ اسباب ہی کو کارگر سمجھتا ہے، مالک الملک کی ذات پر اس کا اعتماد نہیں ہوتا۔

غرض: تدبیر و توکل میں ہم آہنگی (اتفاق) ہے، دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں، پس جو اسباب کو سبب سمجھتا ہے وہ مومن نہیں ہو سکتا، اور جو اسباب کو کندم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کام اعمال سے بنے گا، اسباب تو صرف ہمارے امتحان کے لئے ہیں ایسا کہنے والا اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ ہے۔

اور تدبیر و توکل کی ہم آہنگی کا بہترین درس حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے صاحبزادگان کے واقعہ میں ہے، سورہ یوسف میں ارشاد پاک ہے:

قَالَ يَبْنِي لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ، وَمَا
أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِنْ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُتَوَكِّلُونَ - (سورہ یوسف آیت ۷۶)

ترجمہ و تفسیر: بردران یوسف بنیامین کو لے کر مصر روانہ ہو رہے تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے رخصت کرتے وقت نصیحت فرمائی کہ میرے بچو! ایک دروازہ سے داخل مت ہونا، شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہونا تاکہ لوگوں کی نظر میں نہ آ جاؤ، یعقوب علیہ السلام پہلے یوسف کا صدمہ اٹھا چکے تھے اس لئے چاہتے تھے کہ احتیاط کی ہر ممکن تدبیر کر لیں۔

مگر احتیاطی تدبیر بتاتے ہوئے یعقوب علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کوئی آفت میں تم سے ٹال نہیں سکتا، حکم صرف اللہ تعالیٰ کا چلتا ہے، انہی پر میرا بھروسہ ہے، اور بھروسہ کرنے والوں کو انہی پر بھروسہ کرنا چاہئے، میری نصیحت کا یہ مقصد نہیں ہے کہ تم میری بتائی ہوئی تدبیر پر تکیہ کر لو، میں تمہیں اس آفت سے نہیں بچا سکتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہے، حکم صرف اللہ تعالیٰ کا چلتا ہے، ان کے حکم کے سامنے کسی کی نہیں چلتی، جو کچھ مقدر ہے وہ پہنچ کر رہے گا، خود میرا اعتماد بھی اللہ تعالیٰ پر ہے، میری بتائی ہوئی تدبیر پر نہیں، اور ہر مومن کو تدبیر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ہی پر نظر رکھنی چاہئے، پھر کیا ہوا؟ ارشاد پاک ہے:

وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةٌ فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (سورہ یوسف آیت ۶۸)

ترجمہ و تفسیر: پھر جب صاحبزادگان اپنے والد صاحب کی ہدایت کے مطابق مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہوئے تو والد ماجد کا ارمان پورا ہو گیا، وہ تدبیر

بتلا کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کوئی آفت ان سے ٹال نہیں رہے تھے بلکہ ان کے دل میں ایک ارمان تھا جسے انہوں نے پورا کر لیا، اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم کی وجہ سے یقیناً صاحب علم تھے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔

یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے تدبیر بتلاتے ہوئے جس حقیقت کا اظہار کیا تھا اتفاقاً ہوا بھی ایسا ہی، تدبیر دھری کی دھری رہ گئی، تقدیر الہی سے جو حادثہ پیش آنے والا تھا وہ آکر رہا، یعنی بنیامین مصر میں روک لئے گئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی تدبیر تقدیر کو ٹالنے کے لئے تھی بھی نہیں، وہ تو بس ایک دینی ضرورت اور مومن کا ارمان تھا جو انہوں نے پورا کر لیا۔

اور وہ دینی ضرورت کیا تھی؟ وہ ضرورت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ اور یقین کے ساتھ اسباب ظاہری کو احتیاطی تدبیر کے طور پر اختیار کرنا شرعاً مطلوب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بدو نے پوچھا تھا کہ وہ اپنے اونٹ کا زانو باندھ کر اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے یا اس کو کھلا چھوڑ دے اور اللہ پر بھروسہ کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اس کا زانو باندھ کر اللہ تعالیٰ پر اعتماد کر“۔

یہ دونوں منفی پہلو سے اسباب اختیار کرنے کی مثالیں ہیں۔

اور مثبت پہلو سے اسباب اختیار کرنے کی مثال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد میں دوہری زرہ پہنی تھی، کیونکہ معرکہ سخت تھا اور انبیاء جس بات کی امت کو تعلیم دیتے ہیں اس کو خود بھی اختیار کرتے ہیں، ان کی کتاب زندگی اور کتاب دعوت میں کمال مطابقت اور ہم آہنگی ہوتی ہے۔

پھر فرمایا کہ تدبیر و توکل کے درمیان جو توازن حضرت یعقوب علیہ السلام کی نصیحت میں پایا جاتا ہے وہ دراصل علم کا فیضان تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل ہوا تھا، چنانچہ انہوں نے ایک طرف عالم اسباب کے قوانین کے مطابق تمام تدبیریں

کیس جو بنیامین کی حفاظت کے لئے ضروری تھیں اور دوسری طرف یہ بات بھی ان کے پیش نظر رہی کہ کوئی بھی انسانی تدبیر مشیت الہی کے بغیر کارگر نہیں ہو سکتی، پس مومن کا بھروسہ اپنی تدبیر پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونا چاہئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کی مدح فرمائی کہ اِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی باتوں میں اور کاموں میں تدبیر و توکل کا جو صحیح توازن پایا جاتا تھا وہ تعلیم خداوندی کا نتیجہ تھا، مگر جن لوگوں کے ذہن پر ظاہر کا غلبہ ہوتا ہے وہ توکل سے غافل ہو کر تدبیر کو سب کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں، اور جن کے تصورات پر باطن چھا جاتا ہے وہ تدبیر سے بے پروا ہو جاتا ہے، حالانکہ مومن کا صحیح مقام دونوں کے درمیان ہے۔

اسباب کے اقسام و احکام: زیر نظر رسالہ کے مقدمہ میں یہ مضمون تفصیل سے آیا ہے کہ اسباب کی تین قسمیں ہیں قطعی، ظنی اور وہمی، قطعی اسباب کا اختیار کرنا فرض ہے، مسئلہ ہے کہ کوئی بھوکا کھانا تلاش نہ کرے یا کھانا موجود ہے اور نہ کھائے اور بھوکا مر جائے تو وہ گنہگار ہوگا..... اور ظنی اسباب جیسے شفا کے لئے علاج معالجہ کرانا سنت ہے، ایسے اسباب بھی اختیار کرنے چاہئیں، اس پر ثواب ملے گا، لیکن اگر کوئی یہ اسباب اختیار نہ کرے تو گنہگار نہ ہوگا، انہیں اسباب ظنیہ میں وہ رقتے اور عملیات بھی شامل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام یا ازواج مطہرات سے منقول ہیں کہ ان کا اختیار کرنا بھی خلاف توکل نہیں..... اور وہمی اسباب کا ترک اولیٰ ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جاہلی جنس منتر اختیار کرنے پر اپنی اہلیہ صاحبہ پر نکیر کی تھی، اور حدیث میں ایسے اسباب ترک کرنے پر اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنے پر بڑی خوش خبری سنائی گئی ہے، ایسے ستر ہزار لوگ یعنی بے شمار لوگ بے حساب جنت میں داخل ہوں گے، رہے ناجائز جنس منتر تو وہ قطعاً حرام ہیں، وہ وہمی اسباب میں داخل نہیں۔

میں نے حضرت مولانا مفتی محمد زید صاحب مجددی (استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے زیر نظر رسالے کا مقدمہ بغور پڑھا جو قیمتی مضامین پر مشتمل ہے، رہا اصل رسالہ تو وہ حکیم الامت قدس سرہ کے تبرکات ہیں ان کو مختلف مظان سے چن چن کر دسترخوان سجانا مفتی صاحب کا کمال ہے۔

تصانیف تو چونکہ موضوع وار ہوتی ہیں اس لئے ان سے مضامین تلاش کرنا آسان ہوتا ہے، مگر مواعظ و ملفوظات کی صورت حال دوسری ہوتی ہے ان میں مضامین موتیوں کی طرح بکھرے ہوتے ہیں، اس لئے ان کو کسی لٹری میں پرونے کی شدید حاجت تھی تاکہ ان کو عقد الجید بنایا جاسکے، مجھے خوشی ہے کہ جناب مولانا محمد زید صاحب زید مجددی ہم نے محنت شاقہ برداشت کر کے ان مضامین کو موضوع وار عناوین کے تحت جمع کر دیا ہے، ان کی اس سلسلہ کی متعدد کتابیں مقبول عام و خاص ہو چکی ہیں، اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو بھی ان میں شامل فرمائیں، اور امت کو اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

تبلیغ میں مشغول حضرات اپنے کام میں غلو کرتے ہیں، اور اسباب کو سرے سے کندم کرتے ہیں، ان کا یہ طرز عمل صحیح نہیں، یہ دنیا دار الاسباب ہے، اللہ تعالیٰ نے اسباب اسی لئے بنائے ہیں کہ ان کو اختیار کیا جائے، پھر اعتماد اللہ تعالیٰ پر ہو واللہ الموفق۔

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دارالعلوم دیوبند

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

تقریظ عالی

شیخ طریقت حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہ
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل (گجرات)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ، ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد!

اسلام میں بدعت کو اس لئے سخت جرم قرار دیا کہ وہ تحریفِ دین کا راستہ ہے، امم سابقہ میں یہی ہوا کہ انہوں نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کی تعلیمات پر اپنی طرف سے من مانے اضافے کر لئے اور ہر آنے والی نسل ان میں اضافے کرتی رہی، یہاں تک کہ یہ بھی پتہ نہ رہا کہ اصل دین کیا تھا اور لوگوں کے اضافے کیا ہیں، حضرات علماء نے اپنی کتابوں میں ”تحریفِ دین کے اسباب“ تفصیل سے بیان فرمائے ہیں، ان اسباب میں سے دین کے بارے میں تعمق و تشدد یعنی غلو فی الدین کو بڑا سبب قرار دیا، مگر صد افسوس ہے کہ حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر اہتمام اور شریعت کی اتنی پابندیوں کے باوجود آج امت مسلمہ اس غلو کی بری طرف شکار ہے، دین کے سارے ہی شعبوں میں قدر مشترک اس کے آثار نمایاں ہیں۔

ہمارے دور میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کی قائم کردہ تبلیغی جماعت نے ماشاء اللہ دین کی دعوت کو عام کرنے اور عامۃ الناس کو دین سے قریب لانے میں جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں وہ کسی بھی باخبر انسان سے مخفی نہیں ہے، صرف برصغیر میں نہیں، بلکہ غیر مسلم ممالک میں مشرق سے مغرب تک ہر جگہ ماشاء اللہ جماعت کا کام رو بہ ترقی ہے۔

چونکہ جماعت اور اس کے کام سے محمد اللہ محبت بھی ہے اور اس کے فوائد اور دور رس نتائج کا احساس بھی، اس لئے جماعت یا اس کے کارکنوں کی طرف سے کوئی بات اعتدال سے متجاوز سامنے آئے تو اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ جماعت کے ذمہ دار حضرات کو بمقتضائے ”الدین النصیحة“ اس کی اصلاح کی طرف متوجہ کریں، الحمد للہ علماء دیوبند کا یہ طرہ امتیاز رہا ہے کہ ان کی طرف منسوب کوئی تحریک یا فرد ”جادۂ اعتدال“ سے ہٹ جائے تو وہ اس کی اصلاح کے لئے فکر مند ہو جاتے ہیں تاکہ علماء دیوبند کا مسلک کسی غلط نظریہ سے ملتبس نہ ہونے پائے۔

حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ نے آزادی ہند کے لئے جو جدوجہد کی، مقتدر علمائے دیوبند کی ایک جماعت نہ صرف اس کی مداح رہی، بلکہ ان کے ساتھ اتحاد و تعاون بھی کیا، لیکن مولانا آزادؒ نے بعض مسائل میں جب جمہور امت سے الگ راستہ اختیار کیا تو علمائے دیوبند ہی نے ان کی تردید میں مفصل مقالے لکھے۔

اسی طرح حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ حضرت شیخ الہند کی تحریک کے رکن رکین رہے ہیں اور آزادی ہند کے لئے انہوں نے بے مثال قربانیاں دی ہیں، آخری دور میں انہوں نے بعض ایسے نظریات کی تبلیغ شروع کر دی جو جمہور علمائے امت کے خلاف بلکہ نہایت خطرناک اور زائغانہ تھے، ادھر چوں کہ علمائے دیوبند کی جدوجہد آزادی میں برابر مولانا سندھیؒ کا نام آ رہا تھا، اس لئے خطرہ تھا کہ ان کے نظریات علمائے دیوبند کی طرف منسوب ہوں، اسی وقت علمائے دیوبند نے ان کے نظریات کی تردید میں مقالے لے کر فرمائے۔

ہمارے علماء کے ”جادۂ اعتدال“ پر چلتے ہوئے مکرم و محترم مفتی محمد زید صاحب مظاہری زید فضلہ نے کتاب ”اسباب و اعمال اور تدبیر و توکل کا شرعی درجہ“ اور ”دعوت و تبلیغ سے متعلق چند ضروری اصلاحات“ مرتب فرمائی ہے، موصوف حکیم الامت حضرت

تھانویؒ کے افادات کی تلخیص و ترتیب کا کام مدت سے انجام دے رہے ہیں، زیر نظر کتاب میں موصوف نے حضرت تھانویؒ کی مختلف کتابوں سے اسباب توکل اور تدابیر کا ایسا مفہوم حقیقی واضح فرمایا جو افراط و تفریط سے پاک ہے، امید ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ بے اعتدالیاں کرنے والے لوگوں کی ذہنی گرہیں کھل جائیں گی۔

اخیر میں بمقتضائے ”وتواصوا بالحق“ ایک بزرگ کی قیمتی نصیحت تحریر

کرتا ہوں:

”ایک دفعہ امیر التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا ندھلوی، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے شرف ملاقات کے لئے ”شیرانوالہ“ مسجد میں تشریف لائے، حضرت لاہوریؒ سے ملاقات ہوئی، بعض دوسرے جلیل القدر علماء بھی موجود تھے، حضرت مولانا احمد علی صاحب نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے بعض ایمان افروز واقعات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت کی زندہ کرامات کی اس سے بڑی علامت اور کیا ہو سکتی ہے کہ جن لوگوں کا غرورِ نفس اس حد تک بگڑ چکا تھا کہ اپنے ہاتھ سے گھڑے کا پانی لینے میں ایک عار محسوس کرتے تھے، وہ تبلیغ دین کے لئے قریہ قریہ، بستی بستی، اپنے کندھوں پر بستر اٹھائے ہوئے پھرتے ہیں۔“

حضرت نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

”ایک بات یاد رکھیں کہ کسی حق پرست جماعت کا باطل

پرستی کی طرف پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھنے لگ جائے کہ

ہمارے سوا دوسری کوئی دینی جماعت حق پر نہیں ہے اور ہماری

جماعت کی بقا دوسروں کی فنا ہی کی صورت میں ہو سکتی ہے۔ دیکھنا!
 آپ کی جماعت میں کہیں یہ احساس و تاثر پیدا نہ ہو جائے، ہم تو ہر
 آن آپ حضرات کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ! مولانا محمد الیاسؒ
 کے اس گلشن تبلیغ کو ہمیشہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھے۔“

(حسن تدبیر، شیخ الحدیث نمبر ص ۴۰۲)

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا مفتی محمد زید صاحب کی مساعی جمیلہ کو بے حد شرف
 قبولیت عطا فرمائے اور جن نیک مقاصد کے خاطر کتاب ترتیب دی ہے ان کو علی وجہ الائم عام
 و تام فرمائیں، ان کا یہ کارنامہ صحیفہ اعمال میں انشاء اللہ ہمیشہ درخشاں رہے گا اور کیا عجب ہے
 کہ اسباب و توکل کا یہ بیان اعتدال میزان عدل میں بھی وزنی ثابت ہو۔ موصوف تمام
 علمائے دیوبند کی طرف سے مبارک بادی کے مستحق ہیں۔

فقط

املاً ہ احقر احمد عنی عنہ خانپوری

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

عرض مرتب

اس رسالہ کے لکھنے کی وجہ

الحمد للہ اس وقت امت میں دینی رجحان بہ نسبت پہلے کے غالب ہے، تبلیغی جدوجہد کی وجہ سے امت کا بڑا طبقہ دین سے جڑا ہوا ہے اور الحمد للہ امت کو بہت فائدہ ہو رہا ہے اس لئے اس تبلیغی کام کی قدر دانی اور حفاظت بہت ضروری ہے، شیطان تو اس بات کی پوری کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح دینی کام میں نقصان ہو جائے اور دینی کام صراط مستقیم یعنی راہ اعتدال سے ہٹ جائے، اور لوگ دین کے نام پر افراط و تفریط اور غلو و کوتاہی کا شکار ہو جائیں، اور جس طرح گذشتہ قومیں (جن کی شان میں کہا گیا ہے

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ اے اہل کتاب دین میں غلومت کرو) غلو میں مبتلا ہو کر گمراہ اور تباہ و برباد ہو گئیں اسی طرح شیطان اس امت کو بھی گمراہ کرنا چاہتا ہے۔

حدیث شریف میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ بعض صحابہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات دریافت کئے، یہ معلوم ہونے پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سوتے بھی ہیں، حقوق بھی ادا کرتے ہیں آپ کی عبادت کو گویا کم سمجھا، اور یہ کہا کہ آپ تو بخشنے بخشنائے ہیں آپ کو مجاہدہ کی کیا ضرورت، ہم کو مجاہدہ کرنا چاہئے، ایک نے کہا کہ میں رات میں کبھی سوؤں گا نہیں رات بھر عبادت کروں گا، ایک نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، ایک نے کہا میں نکاح نہیں کروں گا، عورتوں سے علیحدہ رہوں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں، میں رات کو سوتا بھی ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں، میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں یہ میرا طریقہ ہے، جو

میرے طریقے سے اعراض کرے گا اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔
 آپ نے امت کو دین میں غلو سے سختی سے منع فرمایا ہے۔
 حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

دین و شریعت میں غلو کرنے کی اجازت نہیں چنانچہ ارشاد ہے يَا أَهْلَ
 الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ اور ارشاد ہے لَا تَحَرِّمُوا طَيِّبَاتٍ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ
 وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (پ ۷ سورہ مائدہ)

(ترجمہ) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے پاک و لذیذ چیزیں تمہارے واسطے
 حلال کی ہیں انہیں حرام مت کرو، اور حدود کے آگے مت نکلو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے
 نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ (بیان القرآن)

اس کے بعد مذکورہ بالا واقعہ نقل کرنے کے بعد حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:
 دیکھئے! ان لوگوں پر غلو فی الدین کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا
 بڑا تشدد فرمایا کہ ایسے شخص کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں، آگے فرماتے ہیں:

ایسا ہی ایک اور واقعہ بخاری شریف میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ دستونوں کے درمیان میں ایک رسی بندھی ہے
 آپ نے دریافت کیا کہ یہ رسی کیسی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا رسی زینب نے باندھی ہے،
 جس وقت ان کو نوافل پڑھتے پڑھتے نیند ستاتی ہے تو کسل (سستی اور نیند) ختم کرنے
 کے لئے اس پر سہارا لگاتی ہیں آپ نے یہ سن کر فوراً اس کو توڑ ڈالا اور فرمایا کہ نفس پر اتنا
 تشدد (سختی) نہ کرنا چاہئے اور فرمایا کہ جب نیند آئے سو رہو، جب کسل رفع ہو جائے
 (سستی ختم ہو جائے) پھر مشغول ہو جاؤ، شریعت تو یہ ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ تقویٰ
 و طہارت مت کرو، بلکہ تقویٰ طہارت میں تو خوب کوشش کرو مگر حد سے آگے نہ بڑھو۔ ۲

۱ بخاری و مسلم مشکوٰۃ شریف عن انس، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، مرقاة ص ۳۳۳ ج ۱

۲ احکام المال بالحقہ التبلیغ ص ۶۹ ج ۱۰

حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اَلَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاتَ لِيُبْلُوَكُمْ اِيْكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون شخص اچھا عمل کرتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے بندوں کو احسن عمل کے لئے پیدا فرمایا ہے اور احسن عمل (یعنی اچھے اور مقبول عمل) کی تفسیر امام رازیؒ نے یہ نقل فرمائی ہے کہ جس میں دو باتیں ہوں وہ احسن عمل کا مصداق ہے ایک یہ ہے کہ وہ عمل شریعت کے دائرہ میں مسئلہ کے موافق، سنت کے مطابق ہو، اور دوسری بات یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ یعنی اللہ واسطے ہو، ان دو میں سے اگر ایک میں بھی کمی ہوگی تو وہ عمل احسن عمل کا مصداق نہ ہوگا اور نہ عند اللہ قابل قبول ہوگا اور نہ ہی نجات کا ذریعہ ہوگا، یعنی کوئی عمل خواہ کتنے ہی اچھے جذبہ اور کامل اخلاص سے کیا جائے لیکن اگر وہ حد و شرع سے ہٹ کر ہو تو وہ عند اللہ قابل قبول نہ ہوگا، بلکہ غلو کا مصداق اور گمراہی کا راستہ ہوگا۔

العمل اذا كان خالصاً غير صواب لم يقبل وكذا الك اذا كان صواباً غير خالص، فالخالص ان يكون لوجه الله والصواب ان يكون على السنة، والقول والعمل والنية لم تقبل ما لم توافق السنة۔
اس نوع کی یعنی غلو آمیز گمراہیاں عموماً جہالت کے نتیجہ میں آتی ہیں اس لئے صحیح علم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

اس وقت دین کے مختلف شعبوں میں بہت سی خامیاں، کوتاہیاں اور مختلف قسم کے قابل اصلاح امور پائے جاتے ہیں اور اللہ کے خاص بندے ان کی اصلاح کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

دعوت و تبلیغ میں بھی اس وقت بعض قابل اصلاح امور اور مختلف قسم کی راہ اعتدال

سے ہٹی ہوئی بہت باتیں ایسی ہیں جو اسی نوع کی ہیں جن کا تذکرہ ماقبل میں ہوا یعنی غلو اور تعدی والی کہ دین کے نام پر حسن نیت سے غایت درجہ عقیدت و عظمت کے ساتھ ایسے امور کو اختیار کرنا جو صراطِ مستقیم اور راہِ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہوں۔

بعض لحاظ سے اس نوع کی کوتاہیاں زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہیں جو دین کے رنگ میں ہوتی ہیں اور جن کی قباحت اور حدود سے تعدی کی طرف لوگوں کا ذہن نہیں جاتا، ظاہر بات ہے کہ وہ بیماری زیادہ خطرناک اور مہلک ثابت ہوتی ہے جس میں مریض شدت مرض میں مبتلا ہونے کے باوجود اپنے کو قوی و صحت مند اور علاج سے مستغنی سمجھتا ہو اور مہلک بیماری میں مبتلا ہونے کے باوجود بالکل قانع و مطمئن اور شکر گزار ہو، غلو اور افراط والی گمراہیاں اسی نوع کی ہوتی ہیں، بد قسمتی سے علم کی کمی کے سبب دعوت و تبلیغ میں بھی اس وقت اسی نوع کی خرابیاں شامل ہو رہی ہیں بطور نمونہ کے چند مثالیں عرض کرتا ہوں۔

دعوت و تبلیغ میں غلو کی چند مثالیں

(۱) ہمارے بہت سے واعظین و مبلغین بڑی قوت سے یہ بیان کرتے ہیں کہ ”اپنے ایمان و یقین کو پختہ اور مضبوط بناؤ اور کمال ایمان و یقین کا معیار انہوں نے اپنی طرف سے یہ مقرر کر لیا ہے کہ اللہ سے ہونے کا یقین اور غیر اللہ سے نہ ہونے کا یقین دل میں پیدا ہو جائے اور اسباب کا یقین دل سے بالکل نکل جائے، اسباب تو محض ہمارے امتحان کے لئے ہیں، غیروں کے اطمینان کے لئے ہیں، اسباب پر اللہ کا کوئی وعدہ نہیں، اپنے مسائل اعمال اور دعا سے حل کراؤ، اسباب خواہ اللہ کے بنائے ہوئے ہوں یا بندوں کے بنائے ہوئے، جب تک دونوں قسم کے اسباب کا انکار نہ کرو گے ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔“

شریعت نے اسباب کا جو درجہ متعین کیا ہے (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اور جن موقعوں پر اسباب اختیار کرنے کی ہدایت اور تاکید کی ہے جہالت کے نتیجے میں اس سے تو ان سب کا انکار بھی ہو جاتا ہے بس صرف ایک ہی پہلو ذہن میں غالب رہتا ہے، پھر اس بات کو مضبوط اور ثابت کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کے اسی نوع کے قصے بیان کئے جاتے ہیں مثلاً یہ کہ:

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایمان کامل نہیں تھا کیونکہ ان کا یقین ان کی اپنی لاٹھی اور عصا پر تھا، ان کے ایمان کو بنانے کے لئے اور دل سے اسباب و اشیاء کا یقین ختم کرنے کے لئے ان سے کہا گیا اَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ فَالْقَاهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ، اس طرح موسیٰ علیہ السلام کے دل سے اسباب و اشیاء کا یقین نکالا گیا۔

(۳) اور مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل خانے میں قیدی سے کہا کہ اپنے آقا سے جا کر میرا بھی تذکرہ کر دینا اِذْ كُنْتُمْ فِي بَيْتِكَ يَوْمَ تَكْتُمُ السَّيْرَةَ اَنْ تَقُولُوا لَمْ يَكُنْ فِي الْبَيْتِ اَمْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ۔۔۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے چونکہ غیر اللہ کی طرف توجہ کی اور غیر اللہ سے مدد چاہی جس کے نتیجے میں مزید سات سال ان کو بطور سزا کے جیل میں رہنا پڑا، ایک بڑے شہر کے تبلیغی مرکز میں بعض اہل علم نے یہ بات اپنے بیان میں فرمائی۔

اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی غیر اللہ سے یعنی درخت کی پناہ لی تھی جو شائبہ شرک تھا جس کے نتیجے میں ان کو آ رہ سے چروادیا گیا، اور ان پر اللہ کی طرف سے عتاب ہوا، یہ بات بھی بعض اہل علم مبلغین نے مجمع میں بیان فرمائی۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ملاقات و مناجات کے لئے امت کو چھوڑ کر خلوت میں چلے گئے، اس مدت میں دعوت و تبلیغ کا کام بند رہا جس کے نتیجے میں ارتداد پھیل گیا۔

(۵) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاء راشدین

رنج و غم اور سکتے کے عالم میں تھے اس مدت میں دعوت و تبلیغ کا کام بند رہا جس کی وجہ سے ارتداد پھیل گیا، مدینے پاک سے نبی گئے، دعوت گئی اور ارتداد آیا۔

(۶) خلفائے راشدین کے بعد سے امت نے دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں جو کوتاہی کی ہے اور اس سے امت کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی اب تک نہیں ہو سکی۔

(۷) بہت سے حضرات یہ سمجھتے ہیں اور کہتے بھی ہیں کہ اصل کام بس یہی دعوت و تبلیغ ہی ہے اس راہ میں نکلے بغیر نہ ایمان کامل نہ نجات کی توقع، نجات منحصر ہے

اسی میں، اس کام کی حیثیت اس وقت لفٹ الہی اور کشتی نوح کی ہے، اس کام میں لگے بغیر وصول الی اللہ مشکل، اور اس کشتی میں سوار ہوئے یعنی اس کام میں لگے بغیر نجات بھی

ناممکن، اصحاب علم و فضل اور ارباب افتاء و قضاء اور ائمہ مساجد و اہل مدارس بھی پورے طور پر اگر اس کام سے وابستہ اور منسلک نہیں تو ان کا بھی ایمان کامل نہیں، اور نہ وہ خود

معمتد اور قابل اعتناء اور نہ ہی ان کی دینی خدمات قابل ستائش، اور وہ سخت خطرے میں۔

(۸) اس کام کے فضائل بیان کرتے ہوئے بعض لوگوں کی زبان مبارک

سے احقر نے خود سنا کہ اس راہ میں نکل کر دوران گشت جو ہوا داعی کے جسم سے لگ کر کسی درخت کے پتے کو لگ جائے اور وہ پتہ نیچے گرے پھر اس پتے کو جو بکری کھالے اور اس

بکری کا جو دودھ پی لے یا گوشت کھالے اس کی بھی نجات ہو جائے گی۔ استغفر اللہ۔

(۹) ایک صاحب بیان فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ

السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ محمد سے پوچھو کہ عرش الہی افضل ہے یا تم؟ کلام الہی افضل ہے یا تم؟ دین اسلام افضل ہے یا تم؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے جواب دیا کہ عرش الہی و کلام الہی سے میں افضل ہوں لیکن دین اسلام مجھ سے افضل ہے کیونکہ دین کی خدمت اور اس کی تبلیغ کے لئے مجھ کو بھیجا گیا ہے، میں اس کا خادم ہوں

وہ مجھ سے افضل ہے، یہ دین وہ ہے کہ اس کے خاطر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو

پٹتے، مارکھاتے، خون بہتے دیکھا لیکن دین مٹتے نہ دیکھا، جب ان صاحب سے پوچھا گیا کہ یہ بات آپ کہاں سے کہہ رہے ہیں؟ فرمایا کہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کہتے ہوئے سنا ہے۔

(۱۰) ایک صاحب بیان فرما رہے تھے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے دیکھا کہ نوا سے یعنی حضرات حسنین بلکہ بلکہ کر رہے ہیں، پوچھا کیوں رو رہے ہیں؟ کہا بھوک سے بے چین ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو دودھ کیوں نہیں پلاتیں؟ حضرت فاطمہ نے عرض کیا میری چھاتی کا دودھ خشک ہو گیا ہے، پوچھا کیوں خشک ہو گیا؟ عرض کیا کہ گھر میں کوئی غذا کھانے کو نہیں، حضور نے پوچھا حضرت علی کہاں ہیں؟ عرض کیا وہ اللہ کے راستہ میں گئے ہوئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیٹی فاطمہ! مجھے یہ گوارہ ہے کہ میرے نوا سے بھوک سے روتے اور بلکتے رہیں، اور تیری چھاتی کا دودھ خشک ہو جائے لیکن علی دعوت کے کام کو چھوڑ دیں یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

(۱۱) ایک صاحب ارشاد فرما رہے تھے کہ حضرت مریم علیہا السلام جب تک مسجد کے دینی ماحول میں رہیں تو اس قدر ان کا ایمان بنا ہوا تھا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے یہ فرمانے پر کہ انی لک هذا یعنی یہ پھل وغیرہ کہاں سے آگئے؟ جواب دیا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اللہ کے پاس سے، لیکن جب مسجد کے دینی ماحول سے علیحدگی ہوئی تو فرشتے نے کہا اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكَ لَا هَبْ لَكَ غُلَامًا زَكِيًّا یعنی میں اللہ کی طرف سے لڑکے کی بشارت لے کر آیا ہوں تو حضرت مریم کہنے لگیں کیسے میرے لڑکا ہو جائے گا مجھے تو کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا؟ یعنی جب مسجد کے دینی ماحول سے دوری ہوئی تو یقین میں کمی اور ایمان میں یہ کمزوری واقع ہو گئی۔ جس کی وجہ سے یہ جملے کہے۔

(۱۲) ایک جگہ اہل تبلیغ مسافتِ قصر طے کرتے ہوئے ایک مقام پر پہنچے، نماز

میں قصر کریں یا اتمام اس کے لئے مشورہ ہوا، مشورہ میں یہ تجویز پاس ہوئی اور امیر صاحب نے یہ فیصلہ کیا کہ اتمام یعنی چار رکعت پڑھ لی جائیں، ایک طالب علم بھی اس میں موجود تھا اس نے ٹوکا کہ نہیں یہ تو مسئلہ کے خلاف ہے، قصر کرنا ضروری ہے تو جواب ملتا ہے کہ نہیں مشورہ میں خیر ہے، امیر کی بات مانو، حکم عدولی نہ کرو۔

(۱۳) یہ بات بھی کثرت سے لوگوں کی زبانوں پر ہے کہ جو شخص اذان کا جواب نہ دے گا اس کو مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہوگا اس کی زبان لڑکھرا جائے گی، جب پوچھا گیا کہ کہاں سے کہہ رہے ہو تو حوالہ دیا کہ مرکز میں بیان کیا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

(۱۴) ایک بڑا طبقہ نبیوں والا کام صرف مروجہ دعوت و تبلیغ ہی کے کام کو سمجھتا ہے اس کے علاوہ کوئی کام گویا دینی کام اور دینی تبلیغ یا نبیوں والا کام ہی نہیں حالانکہ قرآن کے اعلان کے مطابق (يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ) نبیوں والا کام تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ نفوس بھی ہے (اور یہ کام مدرسوں اور خانقاہوں میں ہوتا ہے)۔ نیز بَلِّغْ مَا نُنزِلَ إِلَيْكَ کے تحت ہزاروں احکام شرعیہ کا پڑھنا پڑھانا اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ ان کو عام کرنا، تقریروں کے ذریعہ منکرات کی اصلاح کرنا یہ سب تبلیغ ہی کے دائرہ میں اور نبیوں والے کام ہی کے حکم میں آتا ہے لیکن کوتاہ نظری سے ان کاموں کو دینی اور تبلیغی یا نبیوں والا کام نہیں سمجھتا جاتا۔

(۱۵) بہت سے حضرات دعوت و تبلیغ کی اس عملی شکل ہی کو مقصود بالذات اور مقاصد اصلیہ میں سمجھتے ہیں چنانچہ بعض ذمہ داروں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ اذان تشکیل ہے، نماز اللہ کے راستہ میں نکلنے کی ترغیب ہے، نماز کے بعد اللہ کے راستے میں نکلنا ترتیب، اصل دعوت و تبلیغ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس تبلیغ و تشکیل کی وجہ سے نمازوں تک کو مؤخر کر دیا کرتے تھے، اس چلت پھرت کی وجہ سے آپ نے صحابہ کے فرض روزوں کو چھڑوا کر اس کام میں بھیجا، غزوہ بدر رمضان میں ہوا جن میں آپ نے

روزوں سے منع فرما کر نکلنے کا حکم دیا۔

بعض اہل علم نے یہاں تک بیان فرمایا کہ عام حالات میں تو حکم ہے کہ نماز کی حالت میں اگر سینہ قبلے سے پھر جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن اللہ کے راستہ میں نکل کر جہاد میں صلوٰۃ الخوف میں سینہ بھی قبلہ سے پھر جائے، چلنا پھرنا بھی ہو جائے تب بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

(۱۶) جو اس مروجہ دعوت میں معمول کے مطابق پورے طور پر پروگرام میں شریک نہ ہوں تو سمجھتے ہیں کہ یہ دعوت کا کام نہیں کرتا، حالانکہ دعوت و تبلیغ کی کوئی بھی شکل ہو خاص وہ شکل مقاصد میں سے نہیں بلکہ وسائل میں سے ہے، وسائل کو مقاصد کا درجہ دے کر پھر اس میں شریک نہ ہونے والے کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا اور اس سے بدگمان ہونا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے، ایک بڑا طبقہ جہالت کی وجہ سے اس مرض میں مبتلا ہے۔

(۱۷) ایک صاحب (پرانے کام میں لگے ہوئے) بعد فجر ڈھائی گھنٹہ کا وقت لگانے کی ترغیب دیتے ہوئے اور کوتاہی کرنے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرما رہے تھے کہ فجر کی نماز باجماعت کی بڑی اہمیت ہے ٹھیک ہے اس میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے اس میں ناغہ بھی ہو جاتا ہے لیکن ڈھائی گھنٹہ کی یومیہ محنت یہ بہت ہی ضروری ہے اس میں ناغہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔

(۱۸) بہت سے حضرات ایک مدت سے مروجہ دعوت و تبلیغ کے کام میں لگے ہوئے اور اپنے کو بڑا کارکن اور مبلغ و مبلغ بھی سمجھتے ہیں حالانکہ پچیس برس گزرنے کے بعد بھی اب تک ان کی اذان نماز اور قرآن پاک بھی صحیح تجوید اور سنت کے مطابق نہیں، اور مسائل ضروریہ سے بھی واقفیت نہیں، نماز جیسی اہم عبادت جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ) اس کو درست کرنے اور سنت کے مطابق بنانے میں ایسی غفلت و کوتاہی، اور دعوت و تبلیغ کی خاص شکل جو کہ

محض ذرائع اور وسائل کا درجہ رکھتی ہے اسی کو اصل مقصود سمجھ کر اور اسی پر قانع اور مطمئن ہو کر دوسری ضروریات دین اور اصل مقصد سے غافل ہو گئے۔

(۱۹) بہت سے حضرات یہ سمجھتے اور کہتے بھی ہیں کہ یہ علماء کرام اور اہل مدارس تنخواہ لیتے اور پڑھاتے ہیں نیز چندہ بھی کرتے ہیں، تو یہ دینی خدمت کہاں ہوئی، ان کا تو معاش ہی اس سے وابستہ ہے، دین کی تبلیغ اور خدمت تو اس وقت ہوتی جب کہ فی سبیل اللہ بلا تنخواہ کام کرتے جیسے اہل تبلیغ اپنا مال اپنی جان و وقت کی قربانی دیتے ہیں، یعنی ان کی نگاہوں میں تنخواہ لینا، فی سبیل اللہ دینی خدمت و اخلاص اور اجر و ثواب کے منافی ہے، حالانکہ یہ یقینی بات ہے کہ تنخواہ لے کر دینی خدمت انجام دینا نہ کمال ایمان اور اخلاص کے منافی ہے اور نہ ہی تقویٰ و توکل کے خلاف ہے، نہ ہی اس کی وجہ سے اجر و ثواب میں کمی آتی ہے، خلفاء راشدین دینی خدمت کی بنا پر وظائف لیتے تھے اور صحابہ کو دیتے بھی تھے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وظیفہ اور تنخواہ لینے کی بنا پر خلفاء راشدین عادل بادشاہ اور امیر المؤمنین ہونے سے خارج ہو گئے اور قیامت کے روز میدان حشر میں عرش الہی کے سائے تلے عادل حکام کو جو جگہ دی جائے گی اس سے یہ حضرات محروم کر دیئے جائیں گے یا مؤخر کر دیئے جائیں گے کیونکہ وہ تنخواہ لیتے تھے؟

(۲۰) بہت سے حضرات یہ سمجھتے اور کہتے ہیں اور اس کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ بس حقیقی جہاد یہی دعوت تبلیغ کا کام ہے، اس کے علاوہ جہاد بمعنی قتال کی ضرورت و اہمیت ہی کا صاف انکار، اشاعت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے وہ صرف اس کام کو بالکل کافی سمجھتے ہیں اور جہاد بمعنی قتال کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے اور قرآن پاک میں جہاد کی خاص قسم (فرض عین) نفیر عام کے وقت نہ نکلنے کی صورت میں جو وعیدیں آئی ہیں **الْاَتَّسِفِرُوا يُعَذَّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا** وہ اس دعوت و تبلیغ میں نہ نکلنے والوں پر منطبق کرتے اور ان کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں، یہ بہت بڑی غلطی ہے جو تحریف قرآن کے مرادف ہے۔

یہ صحیح ہے کہ جہاد کے مختلف انواع ہیں، یہ دعوت و تبلیغ کا کام بھی عمومی معنی کے لحاظ سے بعض انواع جہاد میں شامل ہے جیسے مدرسہ کے طلبہ، علم بھی اس میں داخل ہیں، لیکن جہاد کی وہ قسم جس کو قرآن کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ** (ترجمہ: اے نبی ایمان والوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے)

اس کے علاوہ متعدد آیات و احادیث میں اس کا تذکرہ ہے اس کی مشروعیت، اور شرائط پائے جانے کی صورت میں اس کی فرضیت اہل سنت والجماعت اور تمام فقہاء کا مسلک ہے، جہاد اقدامی بھی اور دفاعی بھی۔

یہ صحیح ہے کہ شرائط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے موجودہ حالات میں ہمارے ملک میں اس جہاد کی اجازت اور اس کا جواز نہیں، لیکن یہ سمجھنا کہ سرے سے اس کی ضرورت ہی نہیں گویا یہ حکم ہی منسوخ ہے سخت غلطی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے ناواقفی ہے، اسی طرح جہاد میں نہ نکلنے کی صورت میں جو مذکورہ بالا وعیدیں آئی ہیں ان وعیدوں کو دعوت و تبلیغ میں نہ نکلنے کی صورت میں چسپاں کرنا بہت بڑی غلطی ہے جس میں بہت سے پرانے تبلیغی حضرات مبتلا نظر آتے ہیں۔

بہت سے حضرات کو دعوت و تبلیغ میں نہ نکلنے والوں کے متعلق یہاں تک کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ جس طرح یہ حضرات یہاں سے چھانٹ دیئے گئے ہیں کہیں جنت کے دروازے سے نہ چھانٹ دیئے جائیں۔

(۲۱) بہت سے حضرات بڑی قوت کے ساتھ یہ کہتے ہوئے سنئے گئے کہ جو اس کام سے منسلک نہیں ہوگا، قیامت کے دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی سفارش نہیں فرمائیں گے۔

ایک جگہ تبلیغی جماعت کے اعلان کے بعد لوگ شریک نہ ہوئے، اٹھ کر چل

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اوجز المسالک شرح موطا مالک، مکتلمہ فتح الملہم شرح مسلم کتاب الجہاد

دیئے، انہوں نے اپنی تبلیغ میں کہا کہ جس طرح یہ لوگ منہ موڑ کر اٹھ کر چل دیئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی ان سے منہ موڑ لے گا۔

(۲۲) ایک شہر کے تبلیغی مرکز میں ایک عالم صاحب نے عام مجمع میں بیان

فرمایا کہ:

دین میں اصل تو خروج ہے، اس کام کا کوئی بدل نہیں جیسے مسواک کرنا سنت ہے منجن اور پیسٹ مسواک کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، اسی طرح دین کے دوسرے کام اس کام کے قائم مقام نہیں ہو سکتے یہ کام اصل ہے اور اس وقت فرض عین ہے۔

(۲۳) بہت سے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ دین حق کی تبلیغ مخصوص اعمال اور مخصوص طریقہ ہی میں منحصر ہے اگر اس خاص طریقے سے ہٹ کر تبلیغ کی جائے تو وہ تبلیغ تبلیغ نہیں حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے جس کی وجہ سے بڑی تعداد میں لوگ اہل علم و اہل مدارس سے بدگمان اور بد زبان تک ہونے لگے ہیں، یہاں تک سمجھنے لگے ہیں اور بعض موقعوں پر اس کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ علماء اور مشائخ تبلیغ نہیں کرتے، علماء اور مدارس کی ہم کو ضرورت نہیں، اصل کام اور اصل تبلیغ بس صرف یہی ہے، اور یہی نبیوں والا کام ہے اور بس، حالانکہ کتنی موٹی اور واضح بات ہے کہ نفس تبلیغ کا حکم تو قرآن پاک میں دیا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ - (پ ۶ سورہ مائدہ)

یعنی اے نبی جو کچھ بھی آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے

سب کی تبلیغ کر دیجئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک میں جتنے امور اور جتنے احکام بھی نازل کئے گئے ہیں ان سب کی تبلیغ کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اب یہ دیکھ لیا جائے کہ قرآن پاک میں کتنے اور کون کون سے احکام نازل کئے گئے ہیں..... ان میں بہت سے احکام تو

ایسے ہیں جن کو عام لوگ سمجھ ہی نہیں سکتے مثلاً سو دو ربوا کے دقیق مسائل یا بہت سے ایسے مسائل و احکام جن کی عام جلسوں اور مجموعوں میں تبلیغ نہیں کی جاسکتی مثلاً عورتوں کے مخصوص مسائل وغیر ذالک، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے احکام میں وہ بھی شامل ہیں، اس نوع کے ہزاروں مسائل و احکام شرعیہ ہیں جو یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے گئے ہیں اور جن کی تبلیغ کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ظاہر بات ہے کہ مروجہ طریقہ تبلیغ کے مطابق ان احکام کی تبلیغ نہیں کی جاسکتی، اس نوع کے احکام شرعیہ کی تبلیغ اور ان کی حفاظت علماء کرام کے ذریعہ کتابوں کی تدریس و تعلیم کے واسطے سے مدرسے کی چار دیواری کے اندر ہی ہو سکتی ہے، یہی وہ تبلیغ و تعلیم ہے جس کے متعلق جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک مسئلہ اور شرعی حکم کا سمجھ لینا اور سمجھا دینا گواہی کا وقت عمل کا نہ ہو ہزار رکعت سے افضل ہے۔

يا اباذر لان تغدو فتعلم آية من كتاب الله خير لك من ان تصلى
مائة ركعة، ولان تغدو فتعلم بابا من العلم عمل به اولم يعمل خير من ان
تصلى الف ركعة ۱۔

ترجمہ: اے ابوذر اگر تم صبح جا کر ایک آیت کلام اللہ شریف کی سیکھ لو تو نوافل کی سو رکعات سے افضل ہے اور اگر ایک باب علم کا سیکھ لو خواہ وہ اس وقت عمل کا ہو یا نہ ہو (مثلاً تیمم کے مسائل) تو ہزار رکعات نوافل پڑھنے سے بہتر ہے ۲۔

بطور نمونے کے غلو اور حدود سے تعدی کی یہ صرف چند مثالیں عرض کی ہیں جو یقینی طور پر احقر کے علم میں آئی ہیں، ممکن ہے بعض علاقوں میں نہ ہوں یا دوسرے انداز کی ہوں، اگر ان کی تفصیلات کو جمع کیا جائے تو ضخیم رسالہ تیار ہو جائے۔

خدا نخواستہ ان سب کے ذکر کرنے کا مقصد اس کام پر تنقید یا اس کی تنقیص ہرگز مقصود نہیں بلکہ حضرات اہل علم اور اصحاب تبلیغ کے اکابر و مصلحین امت کو توجہ دلانا مقصود ہے۔

دعوت و تبلیغ یعنی اللہ کے راستہ میں نکل کر اگر اجر و ثواب کی زیادتی ہے تو کسی معصیت اور حدود سے تعدی کے ارتکاب کا گناہ بھی شدید ہے۔

دعوت و تبلیغ کا موضوع امر بالمعروف، نہی عن المنکر ہے، بلاشبہ یہ کام بہت ضروری ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ - (پ ۴ سورہ آل عمران)

ترجمہ: اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی ضروری ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام انجام دے یعنی معروفات کو پھیلانے اور منکرات کو روکے۔

اب یہ کام اہل علم کا ہے کہ وہ معروفات و منکرات کی توضیح کرتے ہوئے امت کو اس بات سے باخبر اور متنبہ کریں کہ منکرات کے دائرہ میں کون کون سے امور آتے ہیں جن میں آج امت مبتلا ہے اور جن کی اصلاح ضروری ہے، اس موضوع سے متعلق محدثین نے جو کتابیں لکھی ہیں مثلاً علامہ ذہبیؒ کی ”الکبائر“ اور حافظ ابن حجرؒ کی ”الزواجر عن اقتراف الكبائر“ وغیرہ جن میں کبار اور منکرات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح ان محدثین کی کتابیں جنہوں نے حروف تہجی کے اعتبار سے حدیثیں جمع کی ہیں ان میں نہی یا منع یا لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صیغوں سے بہت سی حدیثیں پائی جاتی ہیں، ان جیسی ساری حدیثوں کو پیش نظر رکھیں اور دوسری طرف امت کا جائزہ لیں اور جو امور منکرات و منہیات و معاصی کے دائرہ میں آتے ہیں ان سے امت کو آگاہ کریں اور اصلاح کی کوشش کریں، یہ سب دعوت و تبلیغ کے دائرہ میں آتا ہے اور یہ کام علماء ہی کے کرنے کا ہے۔

علمائے کرام کی خدمت میں عاجزانہ گزارش

علماء کرام کی خدمت میں مؤذبانہ گزارش ہے کہ:

آپ حضرات نبی کے وارث اور جانشین ہیں، آپ امت کے رہبر اور قائد ہیں، آپ کی فضیلت دوسروں پر ایسی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کی فضیلت ادنیٰ امتی پر۔ آپ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں آپ کے لئے استغفار کرتی ہیں، آپ میں کا ایک ایک فرد شیطان پر ہزار عابدوں کے مقابلے میں بھاری ہے! آپ میں کے ایک ایک فرد کا اللہ کے یہاں جو مقام ہوگا اس کا اندازہ اس حدیث سے لگائیے!

”ابن ماجہ اور بیہقی میں بروایت عثمان رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اول انبیاء علیہم السلام گنہگاروں کی شفاعت کریں گے پھر علماء پھر شہدا۔“ شہدا کی شفاعت ستر گنہگاروں کے حق میں قبول کی جائے گی (تفسیر مظہری ۵/۸۴) اور علماء کی شفاعت کے متعلق آپ نے فرمایا کہ:

”قیامت کے روز عالم سے کہا جائے گا کہ آپ اپنے شاگردوں کی شفاعت کر سکتے ہیں اگرچہ ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر ہو“۔^۱ اخرج الدیلمی عن ابن عمر موقوفاً یقال للعالم اشفع فی تلامذتک ولو بلغت عدد نجوم السماء (تفسیر مظہری ۵/۸۴) فائدہ: حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: (شریعت میں) استاد عام ہے سبق پڑھانے والے اور پوچھنے پر مسئلہ بتلانے والے اور ابتداء امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والے اور اصلاح نفس کے طریقے بتلانے والے یعنی پیر (ومرشد) کو، اسی طرح شاگرد عام ہے تلمیذ متعارف، اور دینی سوال کرنے والے اور مرید کو بھی۔^۲

۱۔ ترمذی، احمد، مشکوٰۃ شریف ۱/۳۳۲، ۲۔ دیلمی عن ابن عمر معارف القرآن ۱۵/۵۰۷، ۳۔ اصلاح انقلاب ۱/۲۷۶

یہ سب اس واسطے کہ آپ حاملِ علوم نبوت اور جانشین نبی ہیں جن کی شان میں یہ وارد ہوا ہے ینفون عنہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاہلین۔^۱ یعنی آپ دین میں غلو کرنے والوں اور تحریف کرنے والوں کی اصلاح کرتے ہیں، اہل باطل کے باطل دعوؤں کا ابطال کرتے ہیں، جاہلوں اور نادانوں کی غلط تشریحات و توجیہات کی خرابی بیان کرتے اور اس کی اصلاح کرتے ہیں، بہر صورت آپ امت کے پاسباں، محافظ، اور نگران ہیں، آپ کا مقام حضور نے بیان فرمایا ہے کہ آپ میں کا ایک فرد ہزار غیر عالم عابدوں، زاہدوں، مبلغوں پر بھاری ہے، اس لحاظ سے آپ کی ذمہ داری بہت بڑھی ہوئی ہے، آپ کا کام امت کو لے کر چلانا ہے اور امت جن غلطیوں اور کوتاہیوں میں مبتلا ہے اس کی اصلاح کی کوشش کرنا ہے۔

اس وقت اہل مدارس اور علماء کرام کا بڑا طبقہ بھی الحمد للہ دعوت و تبلیغ سے منسلک اور لگا ہوا ہے (اور ان کا لگا ہونا ضروری بھی ہے لیکن اپنی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ) بلاشبہ اس دعوت و تبلیغ سے ہزاروں نہیں لاکھوں، کروڑوں کی اصلاح ہوئی ہے اور ہو رہی ہے، کتنے گنہگاروں نے گناہوں سے توبہ کی اور اللہ سے رشتہ جوڑا، شرابیوں کی شراب، جواریوں کی جوئے، بدکاروں کی بدکاری چھوٹی، واقعہ یہ ہے کہ امت میں عمومی پیمانے پر دینی بیداری کے لئے اس عظیم الشان کام کا کوئی بدل ہمارے پاس نہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اس جماعت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

”یہ ایک حقیقت اور مشاہدہ ہے کہ تبلیغی جماعت جس کا مرکز نظام الدین دہلی ہے اس زمانہ کی ایک سرگرم متحرک دینی جماعت ہے۔۔۔ جس کی نقل و حرکت سے ہزاروں کی زندگی میں ایک دینی انقلاب آگیا، مسجدیں آباد ہوئیں، تعلیم کے حلقے قائم ہوئے، اخلاق و معاشرہ کی بھی اصلاح ہوئی، دین کی تعلیم اور دین میں مزید ترقی کا جذبہ پیدا ہوا“۔^۲

۱۔ مشکوٰۃ شریف کتاب العلم ۲۔ ایک اعلان و شہادت بالحق ملحقہ خطبات علی میاں ص ۹۳ ج ۵

حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

تبلیغی جماعت جن اصول کے ساتھ کام کر رہی ہے وہ قرآن و حدیث اور سلف صالحین کے طریقے کے خلاف نہیں ہے، اس جماعت سے مجہدہ تعالیٰ دینی بیداری لوگوں میں پیدا ہو رہی ہے، لاکھوں کی زندگی بنی ہے اور بن رہی ہے..... اس جماعت کی محنت سے ویران مساجد آباد ہوئیں، جہاں مسجدیں نہ تھیں وہاں مسجدیں تیار ہوئیں، بے شمار دینی مکاتب قائم ہوئے اور ہو رہے ہیں، کلمہ اور نماز کے بغیر جو دفن کر دیئے جاتے تھے وہاں بکثرت علماء و حفاظ پیدا ہو رہے ہیں۔!

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ ایک موقع پر تحریر فرماتے ہیں:

تبلیغی جماعت تنہا ایک ایسی جماعت ہے جس کے کام سے الحمد للہ دل ہمیشہ خوش ہوتا ہے اور اس جماعت نے ایسی بڑی عظیم خدمت انجام دی ہے جو کسی اور جماعت نے نہیں دی، اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کے ذریعہ دین کا کلمہ کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔!

جماعت کا بنیادی اصول ہی یہ ہے کہ دین کی بنیادی تعلیمات کو عام کیا جائے، مجمع علیہ امور کی تبلیغی دعوت کو اپنے کام کا محور بنایا جائے۔.... اگر چند افراد نے ان معاملات میں کوئی تشدد برتا ہے تو یہ ان کا ذاتی فعل ہے اور کسی بھی طرح جماعت کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔!

شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ (پاکستان) ارشاد فرماتے ہیں:

”میں سمجھتا ہوں کہ دینی اعتبار سے اجتماعی کام کرنے والی جماعتوں میں اس وقت سارے عالم میں تبلیغی جماعت بہترین جماعت ہے.... جس جماعت سے اتنا بڑا عالمی فائدہ ہو رہا ہو اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت چمک رہی ہو، اس جماعت کی مخالفت کرنے والے سے اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مواخذہ فرمائیں، بلکہ ایسے شخص کا خاتمہ خطرے میں پڑ جانے کا خطرہ ہے کیونکہ اس جماعت

کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی بشارتیں ہیں، اسی طرح وہ لوگ بھی ہوشیار ہو جائیں جو علماء کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، اگر تو بہ نہ کی تو سوءِ خاتمہ کا خوف ہے کیونکہ حدیث قدسی میں ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا اعلان جنگ ہے،

بلاشبہ یہ کام امت کے لئے بڑی رحمت اور نعمت ہے اس کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے اس لئے امت کی حال پر شفقت کرتے ہوئے، اس کام کو اپنا کام سمجھتے ہوئے ہم کو اس کام سے حسب گنجائش منسلک بھی ہونا چاہئے اور ساتھ ہی کام کو غلو اور افراط و تفریط سے بچانا بھی چاہئے، جس کے لئے ضروری ہے کہ راہ اعتدال اور جاہِ حق سے جو جو باتیں ہٹی ہوئی ہوں آپ کی اس پر گہری نظر اور پوری گرفت اور اصلاح کی فکر اور کوشش ہو، دعوت و تبلیغ کا موضوع امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، منکرات پر نیکر کے دائرہ میں یہ غلو والی باتیں بھی آتی ہیں ان کی اصلاح کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے، اللہ کے راستے میں نکل کر اگر ثواب کی زیادتی کی امید اور توقع ہے تو اللہ کے راستے میں نکل کر کسی نوع کے منکر کا ارتکاب اور غلطی کا شکار ہو جانے کا وبال بھی بڑا سخت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قصداً کسی غلط بات کو منسوب کرنے والے کیلئے آپ نے فرمایا ہے کہ اس کو اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لینا چاہئے، غیر دین کو دین کہنا اور غلو آمیز باتیں بھی اسی حکم میں ہیں، حتیٰ کہ جہالت اور کم علمی کے باوجود یہ جانتے ہوئے کہ میں الفاظ حدیث پڑھنے میں غلطی کروں گا، اگر کوئی شخص حدیث پاک کے پڑھنے میں غلطی کرے یعنی صحیح تلفظ نہ کرے یا اعراب اور حرکت میں غلطی کرے، شارح حدیث ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ایسا شخص بھی سخت وعید اور دوزخ میں جانے کا مستحق ہے، (کیونکہ جہالت عذر نہیں) چنانچہ حدیث ”من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار“ کے تحت فرماتے ہیں ویسوخذمن الحدیث ان من قرأ حدیثہ و هو یعلم انه یلحن فیہ سواء کان فی ادائہ او اعرابہ یدخل فی

هذا الحديث الوعيد الشديد لانه، بلحنه كاذب عليه۔

جب صرف الفاظ حدیث پڑھنے کا اتنا سخت وبال ہے تو معنی حدیث اور تشریح حدیث میں غلط بیانی اور کذب بیانی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یا دین کی طرف غلط بات منسوب کرنے کا کتنا سخت وبال ہوگا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا ندھلوی اشاد فرماتے ہیں:

”چونکہ سلسلہ نبوت اب ختم کیا جا چکا ہے اور اس قسم کے کاموں کی (یعنی اصلاح امت کی) ذمہ داری امت کے علماء پر رکھ دی گئی ہے جو ناسین نبی ہیں، تو ان ہی کا یہ فرض ہے کہ وہ اس ضلال اور فساد حال کی اصلاح کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوں“۔

ہر زمانہ میں علماء و محدثین نے اپنا فریضہ انجام دیا اور اس نوع کی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے یہ کام کیا ہے، غلط اور موضوع روایتیں جو دین کے عنوان سے اور حدیث کے نام سے امت میں رائج ہو رہی تھیں ان کی اصلاح کے لئے مستقل کتابیں لکھیں، الموضوعات، اللالی المنشورہ، تنزیہ الشریعہ، مقاصدا لحسنہ، کشف الخفاء، تذکرۃ الموضوعات وغیرہ کتابیں اسی نقطہ نظر سے لکھی گئیں، ماضی قریب میں امت میں غلط مسئلے اور غلط باتیں جو مشہور تھیں ان کو غلط بتلانے کے لئے حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ”اغلاط العوام“ نامی کتاب لکھی۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُونَ

عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ (بقرہ پ ۱)

(ترجمہ) یہ ان بزرگوں کی ایک جماعت تھی جو گذر چکی، ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے کچھ پوچھ نہیں ان کے کاموں کی۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ

تَعْمَلُونَ۔ (پ ۱۱ سورہ یونس)

۱۔ مرقات شرح مشکوٰۃ کتاب العلم ص ۷۰ ج ۲۔ ملفوظات مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص ۱۴

(ترجمہ) پھر تم کو ہم نے نائب کیا ان کے بعد تا کہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو۔
 آج بھی امت میں دعوت و تبلیغ کے لائن سے ناواقفیت اور جہالت کی بنا پر انبیاء
 اور صحابہ اور دین کے تعلق سے سیکڑوں ہزاروں باتیں گشت کر رہی ہیں جو قابل اصلاح
 ہیں، آج بھی علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ حق و باطل میں امتیاز کر کے حق کو حق اور باطل کو
 باطل کہہ کر اپنی ذمہ داری پوری کریں اور غلو سے امت کو بچانے کی پوری کوشش کریں۔
 اور عوام الناس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ علماء حق کے ہدایات اور تنبیہات کے
 مطابق اپنی اصلاح کریں خصوصاً پڑھا لکھا طبقہ کہ وہ زیادہ عقل و فہم رکھتے ہیں ان کی ذمہ
 داری بھی بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہے کہ وہ عقل و فہم سے کام لے کر اہل حق علماء کی
 باتوں کو سمجھیں اور اس کے مطابق اپنی اصلاح کریں، اور علماء کی ماتحتی میں انہیں کے
 مشورہ سے کام کریں۔

مولانا محمد الیاس صاحب کا مقصد اس دعوت و تبلیغ سے یہ تھا (جیسا کہ ان کے
 ملفوظات میں موجود ہے) کہ دین کے سارے شعبے زندہ ہو جائیں اور زندگی کے ہر شعبے
 میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا طریقہ عام ہو جائے خواہ اس کا تعلق عبادات سے
 ہو یا معاملات اور معاشرت و اخلاق سے، تعلیم کتاب و تعلیم حکمت اور تزکیہ نفوس دین
 کے اہم شعبے ہیں اور یہ شعبے قائم اور زندہ ہیں علماء و مشائخ اور مدارس و خانقاہوں کے
 ذریعہ، زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے طریقوں
 کا علم اور تزکیہ نفوس بھی انہی علماء مشائخ کے ذریعے حاصل ہوگا، اصحاب تبلیغ کو چاہئے
 کہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق مسائل کا علم علماء سے ربط رکھ کر حاصل کریں اور تزکیہ
 نفوس اور باطن کی اصلاح کے لئے مشائخ سے ربط رکھیں یہی مولانا الیاس صاحب کی
 ہدایت تھی، جیسا کہ ان کے ملفوظات و مکتوبات میں موجود ہے۔

بلاشبہ مروجہ دعوت و تبلیغ دین کے تمام شعبوں کے زندہ کرنے کی ایک مسلسل

محنت ہے لیکن یہ وسائل و ذرائع میں سے ہے مقاصد میں سے نہیں، اس کام کو مقاصد کا درجہ دینا اور سب کچھ اسی کو سمجھ کر دین کے دوسرے شعبوں سے غفلت برتنا بڑی کوتاہی اور جہالت ہے، مولانا الیاس صاحب نے جس نیچ پر کام کو شروع کیا تھا اسی نیچ پر کام کو باقی رکھنا چاہئے، اس کے خلاف کرنے سے مفاسد اور خرابیاں سامنے آئیں گی جیسا کہ مشاہد ہے، علماء کرام کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ایسے امور کی طرف توجہ کریں۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے اس دعوت و تبلیغ کے کام کو جن بناؤں پر ڈالا تھا اور اس سلسلہ میں جو آپ کی ہدایات اور تعلیمات ہیں اور آپ کے جو عزائم و ارادے تھے اگر ان سب کو پیش نظر رکھ کر کام کیا جائے تو انشاء اللہ اس کام کی پوری حفاظت رہے گی اور یہ کام غلو سے محفوظ رہے گا، اور صدیوں تک انشاء اللہ یہ کام چلتا رہے گا۔

مولانا الیاس صاحب کی وہ ہدایات و تعلیمات اور تنبیہات ان کے ارشادات و مکتوبات میں منتشر ہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو انشاء اللہ جلد ہی مرتب انداز میں اصحاب علم و تبلیغ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ (الحمد للہ یہ کام بھی تقریباً پورا ہو گیا انشاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آ جائے گا)

پیش نظر رسالہ ”اسباب و اعمال اور تدبیر و توکل کا شرعی درجہ اور دعوت و تبلیغ سے متعلق چند ضروری اصلاحات“ اسی جذبہ اور فکر سے مرتب کیا گیا ہے جس کے سارے مضامین حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے ہیں (جن کی معلومات اور تحقیقات پر حضرت مولانا الیاس صاحب کو پورا اعتماد تھا اور اصحاب تبلیغ کو ان کی تصانیف کے مطالعہ کی ہدایت اور تاکید بھی فرماتے تھے) حضرت تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن، مسائل السلوک اور ان کی دیگر تصانیف و مواعظ سے اس کتاب کے مضامین چن چن کر جمع کئے گئے ہیں، ترتیب اور عناوین کا اضافہ احقر کی طرف سے ہے۔

کتاب کے شروع میں اسباب و اعمال سے متعلق ایک مختصر مقدمہ مرتب کی

طرف سے ہے جس کو قرآن و حدیث اور فقہاء و محدثین کے کلام کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمائے اور امت کی حفاظت اور اصلاح و ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

اس کتاب کو تیاری کے بعد ملک کے کبار علماء، ارباب افتاء نیز دعوت و تبلیغ کے ارباب حل و عقد کی خدمت میں پیش کیا اور ان سے مشورہ لیا، الحمد للہ ان سب حضرات نے اس کی تصویب و تائید کے ساتھ ایسی کتاب کی ضرورت کا اظہار فرمایا اور اس کی اشاعت کا مشورہ دیا، الحمد للہ اکابر کے مشورے اور استخارہ و دعاء کے بعد اس کی اشاعت کی جا رہی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمائے۔

اسی نوع کے قابل اصلاح اور قابل توجہ دیگر امور انشاء اللہ آئندہ بھی عرض کئے جائیں گے تاکہ حضرات اہل علم اور اصحاب تبلیغ ان کی طرف توجہ فرما سکیں۔

قارئین کرام خصوصاً اصحاب علم و فضل سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اس کے لکھنے میں اگر مجھ سے کوئی چوک اور خطا ہوگئی ہو میرے لئے استغفار فرمائیں اور مطلع بھی فرمائیں تاکہ اس کی اصلاح کر سکوں۔

ان ارید الا اصلاح و ماتوفیقی الا باللہ علیہ تو کلت والیہ انیب
 واستغفرا للہ العظیم، و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و علیٰ آلہ
 واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

محمد زید مظاہری ندوی

استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

یکم ربیع الاول ص ۱۴۳۶ھ

علماء کرام کی ذمہ داریوں سے متعلق

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تقریروں کے چند اقتباسات

علماء کرام و مشائخ کی ضرورت و اہمیت اور ان کی ذمہ داریوں کے تعلق سے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تقریر کے چند اقتباسات کو نقل کر کے اپنے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

حضرت مولاناؒ نے علماء کرام کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے ایک مثال دے کر سمجھایا ہے جو علماء کے لئے بہت مناسب ہے فرماتے ہیں:

(۱) ”یہ کانسٹیبل جو (چوراہوں پر) ٹریفک کنٹرول کرتا ہے، یہ اگر اپنی جگہ چھوڑ دے، اور پانی پلانے لگے، راستہ بتانے لگے تو سوار یوں میں ٹکر ہو جائے، بیسیوں حوادث پیش آئیں، حالانکہ وہ کار خیر کر رہا ہے، بہت ثواب کا کام کرتا ہے، پیاسے کو پانی پلاتا ہے، دور تک جاتا ہے راستہ بتانے کے لئے، لیکن وہ مستوجب تعزیر (یعنی سزا کا مستحق) ہوگا کہ اس نے اپنا اصلی کام چھوڑ دیا، ڈیوٹی چھوڑ دیا۔“

احقر عرض کرتا ہے اس مثال کی روشنی میں اہل علم حضرات کو اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے امت کا جائزہ لینا چاہئے اور جہاں بھی کہیں غلط کام، یا کسی نوع کے منکر کا ارتکاب ہو رہا ہو، یا جہاں کہیں دینی کام راہ اعتدال سے ہٹا ہوا ہو، اور امت کے کسی حلقہ میں غلو اور افراط یا تفریط میں ابتلا ہو اس کی طرف توجہ اور تنبیہ کریں اور پوری تحقیق کے بعد اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق اصلاح کی بھرپور کوشش کریں، یہ ہم سب کا منصبی فریضہ اور حدیث من رای منکم منکر ا فلیغیرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ الخ کا مقتضا ہے۔

حضرت مولانا فرماتے ہیں:

(۲) ”اللہ کے یہاں سوال ہوگا کہ تم نے پڑھا تھا، تم کفر و اسلام کا فرق جانتے تھے، اور تم حلال و حرام کا فرق جانتے تھے، تم سنت و بدعت کا فرق جانتے تھے لیکن تم نے نہ کہیں ٹوکا، نہ کہیں روکا، نہ کہیں تم نے اشارہ کیا نہ تم نے کہیں تبلیغ کی، اس کا جواب دو؟“
تم نے کس لئے پڑھا تھا؟ کیوں سات برس آٹھ برس لگائے تھے دارالعلوم دیوبند میں، مظاہر العلوم میں یا ندوۃ العلماء میں؟

خدا کے یہاں جواب دینا ہوگا کہ جو کچھ پڑھا تھا اس کا ہم نے کیا حق ادا کیا؟ حدیثوں میں صاف صاف آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ ہم نے تمہیں رزق دیا تھا اس کا کیا حق ادا کیا؟ ہم نے تمہیں دین کی سمجھ دی تھی اس کا کیا حق ادا کیا، زندگی دی اس کا کیا حق ادا کیا؟ (علم دیا تھا اس کا کیا حق ادا کیا؟) ۱

(۳) دیکھئے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے وہ تین جگہ قرآن مجید میں آئی ہیں (هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ) رسالت کے جو فرائض ہیں وہ کیا کیا ہیں سب سے پہلے تو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنانا (يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ) اور ان کا تزکیہ فرماتا ہے یعنی ان کے نفوس کو دھوتا ہے اور صاف کرتا ہے جیسے برتن صاف کیا جاتا ہے، مانجھا جاتا ہے یہ تزکیہ بھی ضروری ہے اس کی طرف بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس کے لئے حکماء اسلام اور جو امت کے مربی ہیں اور جو نفوس کی بیماریوں سے اور شیطان کی مکاریوں سے واقف ہیں ان کی کتابیں دیکھنا چاہئے اور وہاں سے اپنے مرض کی تشخیص کرنی چاہئے کہ یہ جو بیان کیا جا رہا ہے یہ مرض تو مجھ میں موجود ہے، حسد میرے

اندر ہے، مال کی محبت تو بہت حد سے بڑھ گئی ہے، یہ تو میرا ہی حال بیان کیا جا رہا ہے۔
امراض نفسانی کو دیکھنا چاہئے اور جو کتابیں بزرگان دین نے تزکیہ کے
موضوع پر تحریر کی ہیں ان کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

اور اس کے لئے بزرگان دین کی کتابیں جن میں انہوں نے بیماری پر ہاتھ رکھ
دیا ہے جیسے کوئی ڈاکٹر طبیب اس عضو پر ہاتھ رکھ دے کہ یہاں تمہاری تکلیف ہے، یا
نبض پر ہاتھ رکھ کر کہہ دے کہ تم میں فلاں مرض ہے، ایسے لوگ گذرے ہیں اب بھی
ہوں گے، ایسے ہی جن لوگوں نے امام غزالیؒ سے لے کر امام حسن بصریؒ اور امام غزالیؒ
سے لے کر اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور دوسرے اس
وقت کے بزرگوں تک جن لوگوں نے امراض نفسانی کی تحدید کی ہے ان کو شناخت کیا
ہے اور ان کو متعین کیا ہے ان کی کتابیں (دیکھیں) اور ان چیزوں کا علاج کریں۔

(۴) اصلاح اخلاق و معاملات کی بھی ضرورت ہے، مسلمانوں کے اخلاق
و معاملات بہت بگڑ رہے ہیں اس کو بھی درست کرنے کی کوشش کریں گے، معاملات بھی
ٹھیک ہوں اخلاق بھی صحیح ہوں، اللہ تعالیٰ ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔
(۵) ہم لوگ معاشرہ کی بھی اصلاح کی فکر کریں، یہ تبلیغ کے منافی بات نہیں ہے
یہ تبلیغ میں شامل ہے، تو نمبر وہی رہیں گے اور ان کی ترتیب وہی رہے گی، ان کی اہمیت وہی
رہے گی ان میں کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن اس کی تشریح اور جو اس کا پھیلاؤ ہے۔ (اس
کے دائرہ میں اصلاح معاشرہ، اصلاح معاملات، اصلاح منکرات سب آجاتے ہیں)۔

اپنی زندگی گزارنے کے لئے معاشرت اخلاق، معاملات سب کو درست
کیجئے، ان اعلیٰ اخلاق کو دیکھ کر غیر مسلموں کو اسلام کی طرف کشش ہوگی اور اسلام میں
داخل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوگی، میں اتنا کہنا چاہتا ہوں خاص طور پر

ان لوگوں سے جو جماعتوں میں شامل ہیں اور کام کرتے ہیں ان کو پورے طور پر ذمہ داری سمجھ لینا چاہئے تو نمبر اپنی جگہ پر، نمبر وہی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کی تعلیم کی فکر کرنی چاہئے اور اپنے اخلاق، اصلاح معاشرہ کا کام بھی کرنا چاہئے۔

ریلوے لائن پر ایک چھوٹی گاڑی چلا کرتی تھی (اور غالباً اب بھی چلتی ہے) جس کو ٹرالی کہتے ہیں، لوگ اس کو ٹھیلتے تھے پھر اس پر بیٹھ جاتے تھے اور وہ چلتی اور پھسلتی رہتی تھی، جب وہ رکنے لگتی تھی تو پھر اتر کر دھکا دیتے تھے اور بیٹھ جاتے تھے اس سے لائن کا معائنہ ہوتا تھا، اس امت کی گاڑی کو بھی اسی طرح سمجھئے اور اس کو ٹھیلنے والے اس امت کے علماء اور مشائخ اور مجدد ہیں یہ اس کو ٹھیل دیتے ہیں اور وہ خود اپنے پہیوں پر چلتی ہے، یہ نہیں کہ اس کو چلاتے ہی رہتے ہیں گاڑی خود چلے گی اپنے پہیوں پر، لیکن اس کو ٹھیلنے اور چلانے کے لئے زندہ انسانوں کی ضرورت ہے۔

سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسے علماء ملک میں رہیں کہ وہ نئے مسائل سمجھ سکیں اور فقہ اور فقہ کی مدد سے رہنمائی کر سکیں، اس لئے جہاں اور چیزوں کی ضرورت ہے وہاں ایک بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسے متبحر علماء پیدا ہوں، جیسے مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری۔

سب سے ضروری بات یہ ہے کہ عقیدہ درست اور پختہ کیا جائے اور اس بات کا اقرار اور اس پر ایمان ہو کہ اللہ کے سوا کسی کے ہاتھ میں جلانے مارنے صحت اور شفاء دینے، اولاد دینے روزی دینے اور قسمت اچھی بری کرنے کا اختیار نہیں ہے اور اس کے سوا کوئی بندگی کا مستحق نہیں۔۔۔۔ اس کے لئے جو لوگ اردو پڑھ سکتے ہیں وہ۔۔۔ علماء حق خصوصاً مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ کی کتابیں اور رسائل پڑھیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصنیفات و تعلیمات کی اہمیت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کی نظر میں

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:

”حضرت مولانا تھانویؒ نے بہت بڑا کام کیا ہے، بس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی ہو اور طریقہ تبلیغ میرا ہو کہ ان کی تعلیم عام ہو جائے گی۔

نیز ارشاد فرماتے ہیں:

یہ مضمون آج کل پھیلا یا جائے کہ حضرت تھانویؒ سے تعلق بڑھانے، حضرت کی برکات سے استفادہ کرنے اور ساتھ ہی حضرت کے ترقی درجات کی کوششوں میں حصہ لینے اور حضرت تھانویؒ کی روح کی مسرتوں کو بڑھانے کا سب سے اعلیٰ اور محکم ذریعہ یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ کی تعلیماتِ حقہ اور ہدایات پر استقامت کی جائے اور ان کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کی جائے۔

نیز تبلیغی کارکنوں کے لئے ایک مکتوب میں جو پندرہ ہدایتوں پر مشتمل ہے اس کی ہدایت نمبر ۸ و ۹ میں تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت تھانویؒ کے لئے ایصالِ ثواب کا بہت اہتمام کیا جائے ہر طرح کی خیر سے ان کو ثواب پہنچایا جائے..... حضرت تھانویؒ سے منتفع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی محبت ہو اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے منتفع ہو جائے، ان کی کتابوں کے مطالعہ سے علم آوے گا، اور ان کے آدمیوں سے عمل“۔

۱۔ ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مختصر احوال ۵۸ و ۹۶ ملفوظ نمبر ۵۶ و ۵۷

۲۔ مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحبؒ ۱۳۷ و ۱۳۸ مطبوعہ دہلی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمۃ الكتاب

اسباب و اعمال اور تدبیر و توکل کا شرعی درجہ

اسباب و اشیاء کی اہمیت قرآن و حدیث کی روشنی میں

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کے بعد پہلے ہی مرحلہ میں آپ کو اشیاء و اسباب کے خواص اور ان کے اسماء سے بھی ان کو متعارف کرادیا تھا۔

چنانچہ ارشاد ہے:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (بقرہ)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھلائے۔

تفسیر ابن کثیر و جلالین وغیرہ میں ہے:

عن ابن عباس وعلم آدم الاسماء كلها، قال: علم اسم الصحيفة والقدر؟ قال نعم حتى الفسوة والفسية وعلمه اسم كل دابة وكل طير وكل شئ۔^۱

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیالے، ہانڈی، رتخ تک کے اسماء سکھادیئے تھے، نیز جانور، پرندے اور تمام چیزوں کے نام سے متعارف کرادیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ معمولی اسباب و اشیاء کے خواص اور ان کے ناموں کی بھی آپ کو تعلیم دی گئی تھی۔

^۱ ابن کثیر ص ۳۷۳ ج ۱

علمائے اہل سنت والجماعت کے مسلک اور عقیدے میں یہ بات شامل ہے کہ اشیاء و اسباب کے خواص و حقائق ہیں جو ثابت اور برحق ہیں ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ نسفیؒ اپنی کتاب شرح عقائد میں تحریر فرماتے ہیں:

”حقائق الأشیاء ثابتة“، یعنی اشیاء کے خواص ثابت ہیں۔!

یعنی یہ کہنا صحیح نہیں کہ اشیاء و اسباب میں کوئی تاثیر نہیں، اصل تاثیر اللہ بس اللہ کے امر اور اعمال میں ہے، اہل سنت والجماعت کے نزدیک اشیاء و اسباب کے خواص اور ان کی تاثیرات ہیں جو اللہ نے رکھی ہیں۔

یہ دنیا دار الاسباب ہے، اللہ تعالیٰ نے اس عالم میں اشیاء و اسباب کو پیدا فرما کر نفع و نقصان کو انہیں اسباب سے متعلق اور وابستہ کر رکھا ہے اور انہیں اسباب کو اختیار کرنے کا مکلف بھی بنایا ہے، البتہ اس کے حدود و قیود اور شرائط، یعنی جائز ناجائز اسباب کی تفصیل انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے بیان فرمادی اور جائز اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا، ناجائز اسباب کے اختیار سے منع فرمادیا۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَافِي الْأَرْضِ جَمِيعًا - (بقرہ)

(ترجمہ) وہ ذات پاک ایسی ہے کہ جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب (بیان القرآن)

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لَنَا كُلُّوْا مِنْهُ لِحِمَا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حَلِيَّةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَآخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ - (سورہ نحل پ ۱۲)

(ترجمہ) اور وہ ایسا ہے کہ اس نے دریا کو مسخر کیا تاکہ اس میں سے تازہ تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے گہنا (زیور) نکالو جس کو تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو

۱۔ نیز اس شرح عقائد ص ۲۵

دیکھتا ہے کہ وہ پانی چیرتی ہوئی چلی جا رہی ہیں اور تاکہ تم اس کی یعنی خدا کی روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ۔ (المؤمنون پ ۱۸)

اور تمہارے لئے جانوروں میں غور کرنے کا موقع ہے کہ ہم تم کو ان کے پیٹ کی چیز یعنی دودھ پینے کو دیتے ہیں اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفٌّ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ (النحل پ ۱۴)

اور اسی نے چوپایوں کو بنایا ان میں تمہارے جاڑے کا بھی سامان ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے کھاتے ہو۔

ان آیتوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مختلف قسم کے اشیاء و اسباب اور ان کے منافع و خواص کا تذکرہ بطور احسان کے فرمایا ہے اور ساتھ ہی ان منافع سے فائدہ اٹھانے اور شکر ادا کرنے کی بھی ترغیب دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کے منافع اور ان کے خواص کو

اسباب سے مربوط کر رکھا ہے

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب آیت ”الْم تَرَالِيَ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلُّ“ کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے اس دنیا میں پیدا ہونے والی تمام اشیاء کو خاص خاص اسباب کے ساتھ مربوط کر دیا ہے کہ جب وہ اسباب موجود ہوتے ہیں تو یہ

چیزیں موجود ہو جاتی ہیں، جب نہیں ہوتے تو یہ چیزیں بھی نہیں رہتیں، اسباب قوی یا زیادہ ہوتے ہیں تو ان کے مسببات کا وجود قوی اور زیادہ ہو جاتا ہے، وہ کمزور یا کم ہوتے ہیں تو مسببات بھی کمزور یا کم ہو جاتے ہیں، غلہ اور گھاس اگانے کا سبب زمین اور پانی اور ہوا کو بنا رکھا ہے، روشنی کا سبب آفتاب ماہتاب کو بنا رکھا ہے، بارش کا سبب بادل اور ہواؤں کو بنا رکھا ہے (یہ سب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اسباب ہیں) اور ان اسباب اور ان پر مرتب ہونے والے اثرات میں ایسا مستحکم نظام ہے کہ صدیوں بلکہ ہزاروں سال سے بغیر کسی ادنیٰ فرق کے چل رہے ہیں۔۔۔۔۔ جب سے دنیا وجود میں آئی (یہ آفتاب و ماہتاب) ایک انداز ایک رفتار سے چل رہے ہیں، حساب لگا کر ہزار سال بعد تک کی چیزوں کا وقت بتلایا جاسکتا ہے۔!

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے

اسباب دنیویہ ہی کا لحاظ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ،
وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.
(الجمعة پ ۲۸)

پھر جب نماز جمعہ پوری ہو چکے تو اس وقت تم کو اجازت ہے کہ تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو۔ (بیان القرآن)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ قرطبی تحریر فرماتے ہیں:

ويقول اذا فرغتم من الصلوة فانتشروا في الارض
للتجارة والتصرف في حوائجكم (قرطبی ص ۱۷۱ ج ۱۸)

یعنی حق تعالیٰ فرماتا ہے جب تم نماز جمعہ سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں تجارت کی غرض سے اور اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے پھیل جاؤ۔

علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ نماز کے بعد اب اللہ کے فضل یعنی رزق کو تلاش کرو، چنانچہ حضرت عراق ابن مالکؓ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو کر یہ دعا کرتے کہ:

اے اللہ میں آپ کے فرمان کے مطابق نماز کے بعد رزق کی تلاش میں نکل پڑا لہذا مجھے اپنے فضل سے رزق دیجئے، آپ بہتر رزق دینے والے ہیں۔

ابن کثیرؒ سلف سے نقل فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن جو شخص بعد جمعہ بیع و شراء یعنی تجارت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ستر مرتبہ برکت عطا فرماتا ہے۔

من باع واشترى فى يوم الجمعة بعد الصلوة بارک الله سبعین مرة يقول الله تعالى 'فاذا فضيت الصلوة الخ.

آگے فرماتے ہیں کہ **وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ**. کا مطلب یہ ہے کہ بیع و شراء میں اتنے منہمک نہ ہو جاؤ کہ اللہ کو بھول جاؤ، بلکہ بیع و شراء اور لین دین کے درمیان بھی اللہ کو خوب یاد کرتے رہا کرو۔

وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ای حال بیعکم و شرائکم، وأخذکم واعطائکم اذکروا لله ذکراً کثیراً (ابن کثیر ص ۳۶ ج ۴)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اذان جمعہ کے بعد بیع و شراء وغیرہ کے تمام دنیوی امور کو ممنوع کر دیا گیا تھا، اس آیت میں اس کی اجازت دے دی گئی کہ نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد تجارتی کاروبار اور اپنا اپنا رزق حاصل کرنے کا اہتمام کر سکتے ہیں۔

وَاذْكُرُوا لِلَّهِ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.

یعنی نماز جمعہ سے فارغ ہو کر کسبِ معاش تجارت وغیرہ میں لگو، مگر کفار کی طرح خدا سے غافل ہو کر نہ لگو، عین خرید و فروخت اور مزدوری کے وقت بھی اللہ کی یاد جاری رکھو۔!

اسبابِ دنیویہ ہی کا لحاظ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں اور تمام ایمان والوں کو بھی اسی بات کا حکم دیا چنانچہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ
إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ۔ (سورہ بقرہ پ ۲)

(ترجمہ) اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے کھاؤ، اور حق تعالیٰ کا شکر کرو، اگر تم اسی کے عبادت کرتے ہو۔

اور ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (سورہ مومنون پ ۱۸)

(ترجمہ) اے پیغمبرو! (اور تمہاری امتیں) نفیس چیز کھاؤ اور نیک کام کرو۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کا عمل بھی اسی کے مطابق رہا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور اسبابِ معاش

حضرت مقداد بن معدی کرب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص نے کوئی کھانا اس سے اچھا نہیں کھایا کہ اپنی دستکاری سے کھائے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنی دستکاری سے کھاتے تھے۔ (بخاری شریف)

اور وہ دستکاری زرہ بنانا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے، وَعَلَّمَنَا هُ صَنْعَةَ

لَبُؤْسٍ لَّكُمْ ۱۔

عتبہ بن النذر سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو آٹھ یا دس برس کے لئے نوکر رکھ دیا تھا، شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ۲۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، صحابہ نے عرض کیا اور آپ نے بھی چرائی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں، میں اہل مکہ کی بکریاں کچھ قیراطوں پر چرایا کرتا تھا۔ ۳۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ارشاد فرماتے ہیں:
حق تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کو علوم ذرائع کسب (یعنی معاش کے علوم) بھی عطا فرمائے تھے، جیسے داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانا سکھلایا اور ان کے ہاتھوں میں لوہے کو موم بنا دیا، اور بھی اس قسم کے کمائی کے طریقے انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائے گئے چنانچہ زکریا علیہ السلام نجار (بڑھئی) تھے۔ ۴۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا:

لأن يحتزم أحدكم حزمة من حطب فيحملها على ظهره، فيبيعها

خيراً له من أن يسأل رجلاً يعطيه أو يمنعه، ۵۔

تم میں سے کوئی شخص لکڑی کا گٹھرا اپنی پیٹھ پر لا کر لائے اور اس کو بیچے یہ اس کے لئے

۱۔ حیوۃ المسلمین ص ۱۹۰ ۲۔ احمد وابن ماجہ، حیوۃ المسلمین ص ۱۹۱ ۳۔ بخاری شریف، حیوۃ المسلمین ص ۱۹۰ ۴۔ علو العباد، بالحقہ حقوق و فرائض ص ۱۶۵ ۵۔ مسلم شریف کتاب الزکوٰۃ ”باب النہی عن المسئلة“ ص ۶۲ ج ۲

اس سے بہتر ہے کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے، پتہ نہیں وہ اس کو دے یا نہ دے۔
 حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص انصار میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مانگنے آیا آپ نے اس کے گھر سے ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ پانی پینے کا منگا کر اس کو نیلام کر کے اس کی قیمت میں سے کچھ اناج اور کھاڑی خرید کر اس کو دے کر فرمایا کہ جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کر بیچو، پھر فرمایا یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ مانگنے کا کام قیامت کے دن تمہارے چہرہ پر ذلت کا ایک داغ ہو کر ظاہر ہو۔
 عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقدمہ کا فیصلہ فرمایا تو ہارنے والا کہنے لگا حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، مطلب یہ ہے کہ خدا کی مرضی میری قسمت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو ناپسند فرماتا ہے لیکن ہوشیاری سے کام لو، (یعنی کوشش و تدبیر میں کم ہمتی مت کرو) پھر جب کوئی کام تمہارے قابو سے باہر ہو جائے تب کہو حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (یعنی خدا کی مرضی میری قسمت)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہود بنی نضیر کے اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خرچ کے لئے مخصوص تھے، آپ اس میں سے اپنی بیبیوں کا خرچ ایک سال کا دے دیتے تھے اور جو بچتا اس کو ہتھیار اور گھوڑوں یعنی جہاد کے سامان میں لگا دیتے۔

قال القاضي فيه جواز ادخار قوت نفسه وفيه أن الادخار لا يقدح في التوكل كذا في شرح الأبي والنووي۔

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ اور سیرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے

۱۔ ابو داؤد شریف، ابن ماجہ، حیوۃ المسلمین ص ۱۹۲، ابو داؤد شریف، حیوۃ المسلمین

۲۔ بخاری و مسلم، حیات المسلمین ص ۱۹۳، فتح الملہم ص ۶۷ ج ۹

واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ دنیا دار الاسباب ہے، اور اس عالم اسباب میں رہتے ہوئے اسباب اختیار کرنا ہی انبیاء علیہم السلام کی سنت، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہے اور اپنی امت کو بھی آپ نے اسی بات کی تعلیم دی ہے، اس سے اسباب اختیار کرنے کی اہمیت و فضیلت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے امت کو اسباب سے جوڑا اور اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اور یہ اسباب دنیویہ محض امتحان کے لئے نہیں بلکہ اختیار کرنے کے لئے ہیں، یہ اسباب ظاہرہ صرف غیروں کے لئے نہیں، اللہ کے نیک بندوں اور امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے لئے بھی ہیں۔

نہایت ضروری تنبیہ

دنیا کے کائناتی نظام اور ظاہری اسباب کے خلاف جن واقعات کا صدور اور جن اعمال کے برکات کا ظہور ہو جس کو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور غیبی مدد سے تعبیر کیا جاتا ہے اگر نبی کی طرف سے ہے تو اس کو معجزہ کہتے ہیں اور متبع شریعت امتی کی طرف سے ہو تو اس کو کرامت کہتے ہیں، اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے ”کرامات الاولیاء حق“ ہر زمانہ میں متبع شریعت ہزاروں امتیوں کی طرف سے خرق عادت کے طور پر دنیا کے کائناتی نظام اور ظاہری اسباب کے خلاف بہت سے ایسے واقعات ظاہر ہو سکتے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں جن کو غیبی نصرت اور کرامت کہا جاتا ہے، لیکن اس کی وجہ سے ظاہری اسباب اختیار کرنے کی اہمیت کم نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ مادی اسباب غیروں کے لئے ہیں، ہمارے مسائل اور مشکلات تو اعمال سے حل ہوں گے، اور یہ اسباب ظاہرہ غیروں کے اطمینان اور ہمارے امتحان کے لئے ہیں، نہیں بلکہ ہمارے لئے بھی یہ اسباب اختیار کرنے اور اطمینان کے لئے ہیں، اور اس معنی کرامت کے لئے بھی ہیں کہ بندے اسباب اختیار کرنے میں غلو کا شکار

تو نہیں ہوتے یا حلال و حرام اور جائز ناجائز کی تمیز کے بغیر ہر قسم کے اسباب اختیار کرنے لگیں اور اللہ کی طرف سے نظر ہٹا کر سب کچھ اسی کو سمجھنے لگیں، اس معنی کر یہ اسباب ظاہرہ بے شک امتحان کے لئے بھی ہیں۔

اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ دنیا کے کائناتی نظام اور ظاہری اسباب کے خلاف واقعات ظاہر ہونا جس کو حق تعالیٰ کی غیبی نصرت اور شریعت کی اصطلاح میں کرامت کہا جاتا ہے، یہ غیر اختیاری امر ہے، کیونکہ پوری امت کا متفقہ فیصلہ اور اہلسنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ امت سے کرامات کا صدور و برحق ہے اور وہ غیر اختیاری امر ہے، یعنی کرامت کا صدور بندوں کے اختیار اور بس میں نہیں ہے کہ جب چاہیں اس کا ظہور ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اختیاری امور کا مکلف بنایا ہے، غیر اختیاری امور کے بندے مکلف ہی نہیں لایکُفِّ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو انہی چیزوں کا مکلف بتایا ہے جو ان کی وسعت اور بس میں ہوں، اور ظاہر بات ہے کہ امتی کے لئے کرامت اور نبی کے لئے معجزہ اختیاری امر نہیں کہ جب چاہیں صادر ہو جائے، لہذا وہ اس کے مکلف نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ایسے ہی امور کا مکلف بنایا ہے جو ان کے اختیار اور بس میں ہوں یعنی اسباب ظاہرہ اختیار کرنے کا خواہ اس پر نتیجہ کچھ بھی مرتب ہو۔

یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ خرق عادت کے طور پر جو چیز ظاہر ہو جائے اور کرامت کے جو واقعات صادر ہو جائیں ان کی وجہ سے اسباب کی اہمیت کو کم سمجھا جائے اور یہ سمجھ لیا جائے کہ ہمارے مسائل اعمال سے حل ہوں گے اسباب سے نہیں، اچھی طرح سمجھ لیجئے! دنیا کے کائناتی نظام کے خلاف واقعات کا ہونا کرامت ہے اور کرامت غیر اختیاری امر ہے، اور غیر اختیاری امور کے ہم مکلف نہیں بنائے گئے البتہ ظاہری اسباب جو بندوں کے اختیار میں ہیں بندے اسی کے مکلف ہیں اور شریعت نے انہیں

اسباب کے تعلق سے تفصیلات بیان کی ہیں کہ یہ اسباب جائز ہیں یہ ناجائز، شریعت میں کرامت مطلوب نہیں، اسباب کا اختیار کرنا مطلوب ہے، یہ ہے شریعت اور قرآن و حدیث کی تعلیم، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ظاہری اسباب کی اہمیت قرآن کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ مَعَكَ
وَلْيَأْخُذُوا آسِنَّاتِهِمْ إِلَىٰ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً۔

(سورہ نساء پ ۵)

(ترجمہ) اور جب آپ ان میں تشریف رکھئے پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو لوگوں کو چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑے ہو جائیں، اور وہ لوگ ہتھیار لے لیں، پھر یہ لوگ جب سجدہ کر چکیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی آجائے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں، اور یہ لوگ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں، کافر لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے غافل ہو جاؤ تو تم پر ایک بارگی حملہ کر بیٹھیں۔

(بیان القرآن)

غور کرنے کی بات ہے کہ مجاہدین صحابہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلے ہوئے ہیں، جہاد کا خاص موقع ہے، نماز جیسی اہم عبادت ہے، رئیس المتوکلین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت ہے، دعاء و ابہتال کا خاص موقع ہے، صحابہ جیسے متوکل اور مخلص کامل الایمان کی جماعت کا ساتھ ہے، اس کے بعد بھی حکم یہ ہے کہ سارے لوگ ایک ساتھ نماز نہ پڑھیں بلکہ دو جماعتیں کر کے ایک جماعت ایک رکعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے ساتھ نماز ادا کرے، اور اس وقت دوسری جماعت دشمنوں کے مقابلہ کے لئے کمر بستہ رہے، پھر دوسری جماعت اسی طرح نماز ادا کرے، اور عین نماز کی ادائیگی کے وقت بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور ہتھیار بھی ساتھ ضرور لئے رہیں، اور خود ہی اللہ تعالیٰ ان باتوں کا حکم دے رہا ہے جو آج تک مشروع اور باقی ہے، یہ سب کچھ مادی اور ظاہری اسباب کے خاطر نہیں تو اور کیوں کر ہے؟ ایک جماعت کا نماز پڑھنا اور دوسری جماعت کا نگرانی کرنا، اور حالتِ صلوة میں بھی ہتھیار لئے رہنا بلاشبہ ظاہری اسباب اختیار کرنے کی واضح دلیل ہے۔

حضرت امام غزالی فرماتے ہیں:

قال تعالى "خُذُوا حِذْرَكُمْ" وقال في كيفية صلاة الخوف "وَلِيَاخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ" وقال سبحانه "وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ" وقال تعالى لموسى عليه السلام "فَأَسْرِ بِعَبَادِي لَيْلاً"... واختفاء رسول الله صلى الله عليه وسلم في الغار اختفاء عن اعين الاعداء دفعا للضرر، واخذ السلاح في الصلاة.... ولكن اخذ السلاح سبب مظنون، وقد بينا ان المظنون كالمقطوع، وانما الموهوم هو الذي يقتضى التوكل تركه لـ

حضرت امام غزالی نے قرآن و حدیث کی روشنی میں متعدد مثالوں کے ذریعہ

اس بات کو سمجھایا ہے کہ اسباب کا اختیار کرنا کتاب و سنت اور اللہ کی ذات پر توکل کے خلاف نہیں ہے، حق تعالیٰ نے اپنے فرمان "خُذُوا حِذْرَكُمْ" میں دشمن سے بچاؤ کا سامان اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، صلوة الخوف کی ادائیگی کے وقت بھی ہتھیاروں کو ساتھ رکھنے کا حکم دیا ہے، دشمن کے مقابلہ میں پہلے سے تیاری کرنے کا بھی حکم دیا ہے، فرعون کے ظلم اور شر سے بچنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو راتوں رات اپنی قوم کو لے کر چلنے

کا حکم دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غار میں چھپے رہنا تاکہ دشمن کی نگاہوں سے مخفی رہیں یہ بھی دفع ضرر کے لئے حفاظتی تدبیر کے درجہ میں تھا، اسی طرح نماز کی حالت میں ہتھیار لئے رہنے کا حکم بھی حفاظتی تدبیر کے درجہ میں ہے، اگرچہ ہتھیار کو لینا بظاہر سبب مظنون (یعنی اسباب ظنیہ کے درجہ میں ہے) لیکن بہت سے اسباب ظنیہ بھی اسباب قطعہ کا درجہ رکھتے ہیں، صرف اسباب وہمیہ کا ترک توکل کا مقتضی ہے، یعنی ایسے اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی ہے جن کو اسباب وہمیہ کہا جاتا ہے (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ظاہری اسباب کا شریعت میں کیا درجہ اور اس کی کیا اہمیت ہے، اور حق تعالیٰ بندوں سے کیا چاہتا ہے۔

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے اسوہ سے یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ جن موقعوں میں ظاہری اسباب پورے طور پر نہیں پائے جاتے تھے تو جس قدر اور جس حد تک آپ کے لئے اسباب سے قریب ہونا اور اس کو اختیار کرنا آپ کے بس میں تھا آپ نے اس سے استغنا و اعراض نہیں فرمایا بلکہ ممکن حد تک ہی آپ نے ان اسباب کو اختیار فرمایا، غزوہ بدر غزوہ خندق وغیرہ کے متعدد واقعات اس کی واضح دلیلیں ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال سے تو یہاں تک اس اعتدال کا پتہ چلتا ہے کہ معجزات میں بھی جو کہ بالکل خرق عادت کے ظہور میں آتے ہیں (یعنی بظاہر کائناتی نظام کے خلاف ہوتے ہیں) ان میں بھی تدبیر اور اسباب کی صورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت کا قصہ جو جنگ احزاب میں خندق کھودنے کے وقت ظہور میں آیا اس کا شاہد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو

فرمایا تھا کہ ہانڈی چولھے پر سے مت اتارنا پھر اس میں آکر آب دہن (لعاب مبارک) ملا دیا اور وہ چند آدمی کی خوراک لشکر کے لشکر کو کافی ہوگئی۔

بطور نمونہ کے احادیث مبارکہ اور سیرت طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے صرف چند مثالیں غور کرو فکر اور اطمینان کے لئے عرض کی جاتی ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسباب سے قرب اور اس کے اختیار کرنے کا کس قدر اہتمام تھا۔

جتنا بس میں ہو اور جس قدر اسباب سے قُرب ممکن ہو اس کو

اختیار کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کے واسطے سے کئی قصے نقل فرمائے ہیں۔

(۱) ان میں کا ایک واقعہ یہ ہے کہ بعض اسفار اور بعض غزوات میں پانی کی بڑی قلت ہوگئی صحابہ کا لشکر ساتھ تھا، پینے اور وضو تک کے لئے پانی نہ تھا عصر کی نماز کا وقت قریب تھا، صحابہ نے پانی تلاش کیا کہیں نہ پایا، آپ نے صحابہ سے موجود پانی طلب کیا پھر اس پانی میں آپ نے اپنا دست مبارک رکھ دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس سے پانی لے کر وضو کرتے رہیں، راوی کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے نیچے سے پانی نکل رہا تھا، تمام لوگوں نے اس پانی سے وضو کر لیا پھر بھی پانی ختم نہیں ہوا، وضو کرنے والوں کی تعداد تقریباً تین سو تھی، روایت کے مختصر الفاظ یہ ہیں:

فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوضوء فوضع رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک الاناء یدہ، و امر الناس ان یتوضؤا امنہ الخ۔

(۲) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ہے کہ ایک چشمہ سے بہت تھوڑا تھوڑا پانی رس رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ مختصر پانی کسی برتن میں چلو سے صحابہ نے جمع کیا پھر اسی پانی سے آپ نے اپنے دست اور چہرہ مبارک کو دھویا اور وہ پانی اس چشمہ میں ڈال دیا گیا، پھر تو وہ چشمہ پھوٹ پھوٹ کر بہنے لگا، اور پانی اس قدر کثیر ہو گیا کہ پورے لشکر نے اس سے سیرابی کی اور پانی ختم نہیں ہوا۔

(۳) ایک واقعہ غزوہ خندق کے موقع پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا جس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوکا دیکھ کر گھر جا کر کھانے کا مختصر انتظام کیا جو صرف چند ہی لوگوں کے لئے کافی ہو سکتا تھا، اور جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدعو فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر میں اعلان فرمادیا چلو سب لوگ جابر کے یہاں دعوت ہے اور آپ نے یہ خبر کہلا دی کہ جب تک میں نہ آ جاؤں ہانڈی چولہے سے نہ اتاری جائے، اور روٹی نہ پکائی جائے، اور ایک پکانے والی اور بلالی جائے یعنی جب تک میں نہ آؤں اس وقت تک کوئی تصرف نہ کیا جائے چنانچہ آپ تشریف لائے اور لعاب مبارک اس گندھے آٹے میں لگایا اور برکت کی دعاء فرمائی، اسی طرح ہانڈی میں کیا، پھر تو اس میں ایسی برکت ہوئی کہ وہ مختصر کھانا پورے لشکر کے لئے کافی ہو گیا، جن کی تعداد ایک ہزار تھی، روایت کے مختصر الفاظ یہ ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتنزلن برمتکم ولا تخبزن عجینتکم حتی أجبی فبصق فیہا وبارک ثم عمد الی برمتنا فبصق فیہا وبارک الخ۔

۱۔ مسلم شریف عن انس ص ۲۲۵ ج ۲۔ مسلم شریف ص ۲۲۶ ج ۲۔ مسلم شریف ص ۷۸ ج ۱۔

(۴) اسی طرح کا واقعہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا بھی ہے جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت ابو طلحہ نے ام سلیم سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو بہت کمزور پایا، غالباً آپ بہت بھوکے ہیں، کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ، چنانچہ جو کی چند ٹکیاں کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے پاس مسجد میں بھیجیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ اس کو لے کر گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا تم کو ابو طلحہ نے بھیجا ہے؟ کہا ہاں، آپ نے موجود تمام صحابہ سے کہا چلو ابو طلحہ کے گھر چنانچہ سب لوگ آگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلیم سے فرمایا جو کچھ ہواؤ، آپ کے حکم سے ان روٹیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا اور اس کا ملیدہ بنایا گیا، پھر آپ نے اس میں کچھ کلمات پڑھے اور فرمایا دس دس صحابہ کھانے کے لئے آتے رہیں، چنانچہ دس دس صحابہ آتے رہے اور خوب آسودہ ہو کر کھاتے رہے اور وہ چند روٹیوں کا ملیدہ تمام صحابہ کے لئے کافی ہو گیا، صحابہ کی تعداد تقریباً ستر یا اسی تھی۔

روایت کے مختصر الفاظ یہ ہیں: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم هلمى ما عندك يا ام سليم فاتت بذا لك والخبز، ثم قال فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم ما شاء الله ان يقول حتى اكل القوم كلهم وشبعوا والقوم سبعون رجلا او ثمانون - ۱

محدث کبیر حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور کی تحقیق و تشریح

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم اس حدیث پاک کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

یہ نبوت کا معجزہ تھا، اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی کا معجزہ ظاہر کرنا تھا، اس لئے تھوڑا سا کھانا اتنے آدمیوں کو کافی ہو گیا۔

اب یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ دکھانا تھا تو یہ بھی تو ممکن تھا کہ زمین سے کوئی چیز اٹھا کر دے دیتے، آسمان سے دسترخوان نازل کر دیتے، جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے لئے آسمان سے دسترخوان نازل ہوا، آپ تو ان سے بھی افضل تھے پھر آپ کے لئے دسترخوان کیوں نہیں نازل ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تو خارق عادت امر کا یعنی معجزہ کا ظاہر کرنا ہی مقصود تھا اور بس چنانچہ اس کا ظہور ہو گیا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آخری نبی تھے، آخری دین لے کر آئے تھے جو قیامت تک چلنے والا ہے، جس کا عالم اسباب سے تعلق ہے، قیامت تک کے لئے امت کے لئے نمونہ چھوڑنا تھا اس لئے آپ کا معجزہ اس طرح ظاہر ہوا کہ اس تھوڑے سے کھانے میں آپ نے کچھ کلمات پڑھے اور فرمایا دس آدمی آتے رہیں اور کھاتے رہیں چنانچہ وہ تھوڑا سا کھانا اتنے سارے لوگوں کے لئے کافی ہو گیا، یہاں کوئی اعجازی طاقت تھی جو کام کر رہی تھی لیکن اسباب سے جوڑ کر نہ کہ اسباب سے توڑ کر، اس طرح آپ نے امت کو اسباب سے جوڑا ہے توڑا نہیں اسی لئے آپ کے معجزہ کا ظہور اس طرح ہوا۔

(۵) ایک واقعہ غزوہ تبوک کا ہے جس میں سخت تنگی کی حالت میں صحابہ بھوک سے بے چین اور پریشان تھے، مجبور ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ سوار یوں کے ذبح کرنے اور کھانے کی اجازت دے دیجئے، آپ نے اجازت دے دی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ادب سے عرض کیا یا رسول اللہ سوار یوں کی قلت ہے، بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑ جائے گا آپ تو بچے کھچے توشہ میں برکت کی دعا فرما دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو قبول فرمایا، اور حکم دیا کہ چمڑہ کا دسترخوان

بچھا دیا جائے اور جس کے پاس جو کچھ بھی اور جتنی مقدار میں توشہ ہو لا کر جمع کر دے چنانچہ کوئی ایک مٹھی جو، کوئی ایک مٹھی کجھور لایا اور کھانے پینے کا کچھ سامان جمع ہو گیا، پھر آپ نے برکت کی دعاء کی اور فرمایا کہ اپنے اپنے برتنوں تھیلیوں میں بھر لو، راوی حدیث ابو ہریرہ فرماتے ہیں پورے لشکر نے اپنے برتنوں اور تھیلیوں کو بھر لیا اور خوب سیر ہو کر کھایا بھی اس کے بعد بھی توشہ بچا رہا۔

پورا واقعہ مسلم شریف کی کتاب الایمان ص ۴۳ ج ۱ میں مذکور ہے۔
روایت کے مختصر الفاظ یہ ہیں:

... فجاء عمر فقال لرسول الله صلى الله عليه وسلم ادعهم بفضل ازوادهم ثم ادع الله لهم عليها بالبركة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم نعم قال فدعا بفضل ازوادهم... حتى اجتمع على النطع من ذلك شئ يسير قال فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم بالبركة الخ۔
ان واقعات میں غور کیجئے کہ پورے طور پر ظاہری اسباب میسر نہ ہونے کی صورت میں بھی آپ نے محض توکل اور دعاء پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ ظاہری اسباب سے جس قدر تلبس و تعلق ہو سکتا تھا اور جس قدر آپ اسباب ظاہرہ کے قریب ہو سکتے اور اس کو اختیار فرما سکتے تھے وہ آپ نے اختیار فرمائے، یعنی برکت کی دعاء کے ساتھ آپ نے بقدر امکان ظاہری اسباب کو بھی اختیار فرمایا، پانی کو جمع فرمایا، توشہ کو جمع فرمایا اور اسی میں اضافہ کی اور برکت و کفایت کی دعاء فرمائی۔

الغرض آپ نے خود بھی اسباب کو اختیار فرمایا، اور امت کو بھی اسباب سے جوڑا ہے گا ٹانہیں ہے البتہ توکل اور اعتماد صرف اللہ ہی پر ہو اس کی تعلیم دی ہے۔

(۶) چنانچہ ایک صحابی کے اس سوال پر کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری کو

میں چھوڑ دوں اور اللہ پر توکل کروں؟ آپ نے جواب میں فرمایا: اعقلہا و توکل کہ جانور کی حفاظت کے لئے اس کو باندھو، یعنی ظاہری سبب اختیار کرو اور اللہ پر توکل کرو، یہ آپ کی تعلیم و ہدایت ہے۔ اسی طرح ہلاکت و تباہی کے اسباب سے بچنے اور پرہیز کرنے کا بھی آپ نے حکم دیا ہے، اور خود بھی اس کا اہتمام فرمایا چنانچہ غزوہ احد کے موقع پر حفاظتی تدبیر کے لئے آپ نے دوزرہیں پہن رکھی تھیں کان علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم درعان یوم احد ۲

(۷) ابو حمیدؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، اسی سفر میں ایک موقع پر آپ نے فرمایا آج رات سخت آندھی اور طوفان آئے گا، خبردار کوئی کھڑانہ ہو اور اپنی اپنی سواریوں کو بہت مضبوطی سے باندھ دو، چنانچہ صحابہ نے ایسا ہی کیا، آندھی آئی، ایک شخص نہیں مانا کھڑا ہو گیا تو طوفان نے اس کو قبیلہ طی کے دونوں پہاڑوں کے بیچ میں گرا دیا۔ ستھب علیکم اللیلۃ الریح فلا یقیم فیہا احد منکم فمن کان لہ بعیر فلیشد عقلہ الخ ۳۔

صحابہ کرام کے نزدیک اسباب کی اہمیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام نے بھی اسباب کو اسی لحاظ سے اہمیت دی اور ہلاکت و تکلیف دہ اسباب سے بچنے کا بھی اہتمام فرمایا، حتیٰ کہ جن وبائی امراض کے متعلق اطباء کہتے ہیں کہ اختلاط، چھوت چھات سے مرض متعدی ہو جاتا ہے مثلاً طاعون اور خارش، اور آج کل ایڈز وغیرہ، ایسے متعدی امراض سے بچنے کا اہتمام بھی صحابہ کرام سے ثابت ہے اور اسباب کے درجہ میں اس پرہیز کو بھی انہوں نے توحید یا توکل کے خلاف نہیں سمجھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بہت مشہور و معروف ہے جو بخاری، مسلم، موطاء

۱۔ ترمذی کتاب صفۃ القیامۃ، ۲۔ ترمذی البواب الجہاد باب ۷۱ حدیث ۱۶۸۳، ۳۔ مسلم شریف ص ۲۳۶ ج ۲

میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دینی مہم کی غرض سے شام کے سفر میں تشریف لے جا رہے تھے، انصار و مہاجر صحابہ کی بڑی تعداد ساتھ تھی، راستہ میں معلوم ہوا کہ جس جگہ کا قصد کر کے ہم جا رہے ہیں وہاں تو طاعون پھیلا ہوا ہے، آپ نے آگے کا سفر موقوف فرما کر انصار و مہاجر صحابہ سے علیحدہ علیحدہ مشورہ لیا، آخر میں قریش کے بڑے بوڑھوں سے مشورہ لیا بالآخر یہی فیصلہ فرمایا کہ ہم آگے سفر نہیں کریں گے کیونکہ وہاں طاعون پھیلا ہوا ہے، صبح کو واپس ہو جائیں گے، ابو عبیدہ بن الجراح نے کچھ اس پر عرض کیا کہ اللہ کی تقدیر سے اعراض؟ حضرت عمر نے ان کو سخت جواب دیا پورا واقعہ مسلم شریف باب الطاعون میں موجود ہے، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اس وقت موجود نہ تھے بعد میں آئے انہوں نے فرمایا مجھے اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد معلوم ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ جب کسی علاقہ میں طاعون پھیلا ہو تو وہاں مت جاؤ اور جو لوگ پہلے سے وہاں موجود ہوں ان کے لئے حکم یہ ہے کہ وہاں سے بھاگو نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو سن کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

حدیث کی شرح میں حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں:

انما معناه ان الله تعالى امر بالا احتياط والحزم ومجانبة اسباب الهلاك كما امر سبحانه وتعالى بالتحصن من سلاح العدو وتجنب المهالك. ۲

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے احتیاط کا اور ہلاکت کے اسباب سے بچنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے ہتھیار سے حفاظت اور ہلاکت و خطرات کے موقعوں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

علامہ رزرقانیؒ اس واقعہ کے تحت فرماتے ہیں:

۱۔ مسلم شریف ص ۲۲۹ ج ۲ شرح مسلم للنووی ص ۲۲۹ ج ۲

المراد ان هجوم المرء علی ما یهلكه، منہی عنہ۔
یعنی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کا اپنے آپ کو ہلاکت و خطرات میں
ڈالنا ممنوع ہے۔

مسلم شریف میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فتنہ سے متعلق ایک طویل
روایت میں ہے:

فابتلینا حتیٰ جعل الرجل منا لا یصلی الا سرا۔
یعنی ہم فتنوں اور بلاؤں میں ایسے مبتلا ہوئے کہ فتنہ کے خوف سے نماز بھی
چپکے سے پڑھ لیا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک مرتبہ یمن کے کچھ لوگوں سے ملاقات
ہوئی، دریافت فرمایا تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا ہم متوکل لوگ ہیں (یعنی ہم اللہ
والوں کی اور متوکلین کی جماعت ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں بلکہ تم
متأکلون یعنی کھانے والوں کی جماعت ہو۔

آپ نے فرمایا: ”انما المتوکل الذی یلقى حبة فی الارض ویتوکل
علی اللہ“ متوکل تو وہ ہے جو زمین میں دانہ ڈالے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ
کرے۔ ۳

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ توکل یہ نہیں ہے کہ ترک
اسباب کر کے اللہ پر بھروسہ کر لو، بلکہ توکل یہ ہے کہ کائناتی نظام کے تحت اسباب اختیار
کرو، زمین میں بیج ڈالو اور پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔

مذکورہ بالا احادیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام کے واقعات سے

۱۔ زرقانی شرح موطا ص ۳۱۸ ج ۲ (مسلم شریف کتاب الایمان باب الاستسرار بالایمان
للخائف، حدیث ۳۷۵، فتح الملہم ص ۱۸۰ ج ۲ ۳ کتاب التوکل علی اللہ، رسائل ابن ابی الدنیاص ۵۰

واضح اور یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں اسباب کی بڑی اہمیت ہے، دنیا بے شک دارالاسباب ہے اور اس عالم اسباب میں اسباب منافع کو اختیار کرنے اور اسباب ہلاکت سے بچنے کے ہم مکلف بنائے گئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا، بعد والوں کو بھی اسی طریقے پر قائم رہنا چاہیے۔

اہل ایمان و اہل کفر کے اسباب اختیار کرنے میں بنیادی فرق

یہیں سے فرق واضح ہو جاتا ہے اہل ایمان و اہل کفر کے اسباب میں اور وہ فرق دو ہیں ایک تو یہ کہ اہل کفر و شرک اسباب کے اختیار کرنے میں بالکل آزاد ہوتے ہیں، یعنی حلال و حرام کی تمیز کے بغیر ہر نوع کے اسباب اختیار کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ ان کی نظر اور ان کا اعتماد اللہ کی مشیت اور اس کی قدرت پر نہیں ہوتا، جب کہ اہل ایمان و اہل اسلام دونوں باتوں میں مختلف ہوتے ہیں، وہ اسباب اختیار کرنے میں بھی شریعت کے پابند ہیں یعنی شریعت نے جن اسباب کو اختیار کرنے کی اجازت دی ہے بس انہیں اسباب پر اکتفا کرتے ہیں اور ناجائز اسباب سے پرہیز کرتے ہیں جس کی تفصیل کتاب و سنت کی روشنی میں کتب فقہ میں موجود ہے۔

دوسرے یہ کہ ہزار طرح کے اسباب اختیار کرنے کے باوجود اہل ایمان و اہل اسلام کا توکل اور یقین اللہ کی ذات پر ہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو ان اسباب سے مسبب وجود میں آئے گا اور ان اسباب سے ہم کو فائدہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نہیں چاہیں گے تو ہزار اسباب اختیار کرنے کے باوجود کچھ نہیں ہوگا، جب کہ اہل کفر و شرک اسباب ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اور اسباب میں تاثیر ذاتی کے قائل ہوتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں بھی کفار و مشرکین اسی عقیدہ کے قائل تھے یعنی اللہ کی مشیت کے بغیر بھی اسباب کو مؤثر سمجھتے تھے، وہ اسباب میں تاثیر ذاتی کے قائل تھے، رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نفی فرمائی، لا عدوی ولا طیر اور فمن اجرہ الا اول؟ جیسی احادیث میں دراصل اسی باطل عقیدہ کی اصلاح ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اس کی صراحت فرمائی ہے:

ونفسی العدوی لا بمعنی نفی اصلها لكن العرب یظنونها سبباً مستقلاً وینسون التوکل راساً!

ورنہ اسباب کے درجہ میں جب اللہ کی مشیت کے تابع ہو کر ہو ایسے اسباب کے اختیار کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے اس کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اور صحابہ کرام کے عمل کے بعد دیکھئے کہ اسلاف امت اور فقہاء و محدثین نے بھی اسباب کو کتنی اہمیت دی ہے یہاں تک فرمایا ہے کہ اسباب اختیار کرنا تو حید توکل کے خلاف نہیں بلکہ اسباب اختیار کئے بغیر تو حید توکل اور تقویٰ میں کمال نہیں پیدا ہو سکتا، فقہاء و محدثین اور علماء محققین کی چند واضح تصریحات ملاحظہ ہوں۔

اسباب کے تعلق سے فقہاء و محدثین کی چند تصریحات

اسباب اختیار کرنے کو خلاف توکل کہنے کا نظریہ خلاف شریعت ہے

امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ کا فیصلہ

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے تلمیذ رشید حضرت امام محمدؒ اپنی کتاب ”کتاب الکسب“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

اس اسباب عالم میں اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں، دیکھئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو کھجور کے درخت کو اپنی طرف جھکانے کے لئے

فرمایا تاکہ اس کے پھل ان کی طرف گریں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا یہ خیال ہے کہ توکل کی حقیقت کسب یعنی اسباب معاش کو ترک کر دینا ہے تو وہ شریعت کا مخالف ہے۔

دلیل کے طور پر حضرت امام محمدؒ مزید فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے جنہوں نے سوال کیا تھا کہ میں اپنی اونٹنی کو چھوڑ دوں اور اللہ پر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اس کو باندھ دو، پھر توکل کرو، امام محمدؒ کی عبارت یہ ہے، جس کا خلاصہ اوپر مذکور ہوا۔

”الاحذبالأسباب لا ينافي التوكل وقد امر الله

تعالیٰ مریم علیہا السلام بهز النخلة كما قال تعالیٰ

وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ فعلم ان من يزعم ان

حقيقه التوكل في تركه الكسب فهو مخالف للشریعة

والیه اشار رسول الله صلی الله علیه وسلم فی قوله

للسائل الذی قال أرسل ناقتی واتوكل؟ فقال صلی الله

علیه وسلم لا بل اعقلها وتوكل ۱۔

دیکھئے مذکورہ عبارت میں امام محمدؒ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں استدلال

کرتے ہوئے اسباب کی اہمیت کو کس انداز سے بیان فرمایا اور یہاں تک فرمایا کہ جو شخص اسباب اختیار کرنے کو خلاف توکل کہتا ہے وہ شریعت کا مخالف ہے۔

اسباب اختیار کئے بغیر تو حید کامل نہیں ہو سکتی

علامہ ابن قیم حنبلیؒ کا فیصلہ

علامہ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب ”الطب النبوی“ میں اس موضوع پر تفصیلی کلام فرمایا ہے اور متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد فیصلہ یہ فرمایا ہے کہ:

ان حدیثوں میں تدوی یعنی علاج معالجہ کا حکم دیا گیا ہے (جو اسباب میں سے ہے) یہ توکل کے منافی نہیں ہے، بلکہ اسباب اختیار کئے بغیر تو حید کامل نہیں ہو سکتی، اسباب کا ترک کرنا یہ عجز ہے اور توکل کے منافی ہے۔

وفی هذه الاحادیث الصحيحة الامر بالتداوی وانه لا ینافی التوکل بل لا یتیم حقیقة التوحید الا بمباشرة الاسباب، فان ترکھا عجز اینا فی التوکل۔

”ان صحیح حدیثوں میں علاج کا حکم ہے (جس سے معلوم ہوا کہ) علاج کرنا توکل کے منافی نہیں بلکہ کامل توحید کی حقیقت اسباب اختیار کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ اسباب کا ترک کرنا عجز و بے بسی ہے جو توکل کے منافی ہے۔“

آگے فرماتے ہیں کہ توکل کی حقیقت تو صرف یہ ہے کہ قلب کا اعتماد اللہ پر ہو، ترک اسباب سے اس کا کوئی تعلق نہیں یعنی اسباب اختیار کرنے کے بعد بھی بھروسہ اللہ کی ذات پر ہو یہی حقیقی توکل ہے اور یہی تقدیر پر ایمان لانے کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مقدر کیا ہے وہ اسباب کے واسطے سے ہوگا، اسباب اختیار کرو گے تو مسبب یعنی اس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ مرتب فرمائے گا ورنہ نہیں یہ علامہ ابن قیمؒ کا بیان ہے۔

التوکل الذی حقیقتہ، اعتماد القلب علی اللہ تعالیٰ ان اللہ

قدر کذا و کذا بسبب فان اتیت بسبب حصل المسبب و الا فلا ۱۔

علامہ ابن قیمؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی کے

نزدیک توکل کی حقیقت

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ: بلاشبہ توکل ترک اسباب کے بغیر ممکن نہیں، حق یہی ہے، لیکن یہ ترک اسباب اعضاء جوارح سے نہیں بلکہ محض دل سے ہو، یعنی عمل میں تو اسباب اختیار کرے اور دل سے اس پر اعتماد نہ کرے بلکہ اعتماد اللہ تعالیٰ کی ذات پر کرے، خلاصہ یہ کہ توکل کی حقیقت دل سے ترک اسباب اور اعضاء و عمل سے اخذ اسباب کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، توکل میں اسباب سے انقطاع بھی ہوتا ہے اور اتصال یعنی تعلق بھی، انقطاع دل سے، اور تعلق اعضاء و عمل سے، یہ ہے توکل کی حقیقت، علامہ ابن قیمؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

قال ابن قیمؒ: إن التوکل لا یصح إلا برفض الأسباب وهذا حق،

لکن رفضها عن القلب لا عن الجوارح، فالتوکل لا یتتم إلا برفض الأسباب

عن القلب وتعلق الجوارح بہا، فیکون منقطعاً منها متصلًا بہا، ۲۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ توکل کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

قال الشیخ ولی اللہ الدہلوی: التوکل أن یغلب علیہ الیقین

حتی یفتر سعیه فی جلب المنافع و دفع المضار من قبل الأسباب،

ولکن یمشی علی ماسنہ اللہ تعالیٰ فی عبادہ من الأكساب من غیر

اعتماد علیہا، ۳۔

۱۔ الطب النبوی ص ۱۷۲ فتح الملہم ص ۲۴۰۰ ج ۳ فتح الملہم ص ۳۹۹ ج ۲

یعنی توکل کی حقیقت یہ ہے کہ دفع مضرت، جلب منفعت کے اسباب تو اختیار کرے لیکن یقین کا غلبہ (یعنی اللہ تعالیٰ پر اعتماد اس درجہ) ہونا چاہئے کہ یقین کے مقابلہ میں اسباب کی طرف توجہ کم ہو، لیکن اسباب کو اختیار کرے اور انھیں اسباب کو اختیار کرے جن کو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے مشروع کیا ہے، اور بھروسہ صرف اللہ ہی پر رکھے۔

اسباب اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں

امام طبرمی[ؒ] اور شارح بخاری حافظ ابن حجر شافعی[ؒ] کا فیصلہ

حافظ بن حجر[ؒ] نے فتح الباری ”کتاب الطب“ میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے، اور فیصلہ کن بات یہ تحریر فرمائی ہے کہ متعدد احادیث سے اسباب کا ثبوت ہوتا ہے، اور دوا، علاج، معالجہ ایسے شخص کے لئے قطعاً توکل کے منافی نہیں جس کا عقیدہ یہ ہو اللہ کی اجازت و مشیت اور اس کی تقدیر سے یہ اسباب مؤثر ہوتے ہیں، علاج کرنا اور اسی طرح نقصان اور ہلاکت کے اسباب سے پرہیز کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، یہ حافظ ابن حجر[ؒ] کی عبارت کا حاصل ہے۔

قال الحافظ في الفتح تحت حديث ”ما نزل الله داء الا نزل له شفاء“ وفيها كلها اثبات الاسباب ، وان ذالك لا ينافي التوكل على الله تعالى لمن اعتقد انها باذن الله وبتقديره ، والتداوى لا ينافي التوكل وكذالك تجنب المهلكات . ۱

دوسرے موقع پر حافظ ابن حجر[ؒ] امام طبرمی[ؒ] کے حوالہ سے اس سے زیادہ وضاحت

۱ فتح الباری کتاب الطب ص ۱۳۴ ج ۱۰

کے ساتھ متعدد مثالوں کے ذریعہ فیصلہ کن بات تحریر فرمائی ہے جس کے بعد اس مسئلہ میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا، فرماتے ہیں:

”اسباب و توکل کے باب میں حق بات یہ ہے کہ جس شخص کا اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ ہو اور اس کو اس بات کا پورا یقین ہو کہ حق تعالیٰ کی تقدیر اور اس کا فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا، ایسے شخص کا اسباب کا اختیار کرنا اس کے توکل میں ذرا بھی نقص نہ پیدا کرے گا۔“

دیکھیے! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے موقع پر دو زرہیں پہنیں، سر پر مغفر (خود) پہنی، گھاٹی کے سرے پر حفاظت کی غرض سے تیر اندازوں کو بٹھایا، (حفاظت کی غرض سے) مدینے پاک کے ارد گرد خندق کھدوائی (کفار کی طرف سے صحابہ پر مظالم کے وقت ان کو) حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی، اور خود آپ نے بھی ہجرت فرمائی۔

کھانے پینے کے اسباب کو آپ نے اختیار فرمایا، اپنے گھر والوں کے لئے غذا (غلہ) کا ذخیرہ کر کے رکھا، اس کا انتظار نہ کیا کہ آسمان سے روزی نازل ہو جائے گی، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق تھے کہ آپ کو یہ بات حاصل ہوتی (یعنی آپ کے لئے آسمان سے رزق نازل ہوتا، بلکہ آپ اسباب کے تحت سال بھر کا غلہ جمع رکھتے تھے) اور جن صحابی نے آپ سے سوال کیا کہ ”میں اپنی اوٹنی کو باندھوں یا چھوڑ دوں؟“ آپ نے فرمایا باندھو اور باندھنے کے بعد اللہ پر توکل کرو، ان اعمال کو اختیار کر کے آپ نے بتلادیا کہ اسباب کا اختیار کرنا یا نقصان دہ اسباب سے پرہیز کرنا توکل کے خلاف نہیں۔“

قال الحافظ في الفتح قال الطبري: والحق ان من وثق بالله

وايقن ان قضائه عليه ماض لم يقدح في توكله تعاطيه الاسباب فقد ظاهر

صلی اللہ علیہ وسلم فی الحرب بین درعین ولبس علی رأسہ مغفر، ...
الی قولہ وادخر لاهلہ قوتہم ولم ينتظر علیہ من السماء وهو احق ان
یحصل ذالک وقال للذی سألہ اعقل ناقتی او ادعها؟ قال : ”اعقلها
وتوکل“۔

دنیا دار الاسباب ہے یہاں تو اسباب اختیار کرنا ہی اللہ کا حکم ہے

علامہ ابن الحاج مالکی کا فیصلہ

علامہ ابن الحاج مالکی نے اسباب کے تعلق سے عمدہ بحث فرمائی ہے،
اور اسباب کے ضمن میں علاج معالجہ یعنی دواؤں کے استعمال اور رقیہ کے ذریعہ علاج کا
بھی تذکرہ فرمایا ہے۔

علامہ ابن الحاج مالکی کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ:

دوائیں ہوں یا دیگر اسباب، کوئی عقلمند ان بے جان اسباب کی طرف صحت
و شفاء کو منسوب نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو بغیر سبب کے بھی شفاء دے سکتا ہے
لیکن جب دنیا دار الاسباب ہے تو سنت الہیہ یہی جاری ہے کہ اس نے اپنی حکمت کے
تقاضے سے اشیاء کے خواص و منافع کو اسباب سے متعلق کر رکھا ہے۔

اور اسی حقیقت کی طرف حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے اشارہ فرمایا ہے اور اپنے اس قول ”بسم اللہ ارقیک واللہ
یشفیک“ سے واضح فرمادیا کہ جس رقیہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی جائے وہ اللہ
کے فعل اور اس کے فضل یعنی حصول شفاء کا ذریعہ ہے۔

الغرض چونکہ دنیا دار الاسباب ہے لہذا دیگر اسباب کی طرح علاج اور دواؤں کا

استعمال بھی حق تعالیٰ کے حکم سے کرنا چاہئے۔ علامہ ابن الحاج مالکیؒ عبارت درج ذیل ہے:

ولكن لما كانت الدنيا دار اسباب جرت السنة فيها بمقتضى الحكمة على تعلق الاحكام بالاسباب، والى هذا المعنى اشار جبرئيل صلى الله عليه وسلم و اوضحه بقوله لرسول الله صلى الله عليه وسلم "بسم الله ارقيك والله يشفيك" فبين ان الرقية منه وهى سبب لفعل الله وهو الشفاء، ثم يتناول الدواء ويستعمله كما يستعمل جميع الاسباب بمجرد الامر.

علامہ ابن الحاج مالکیؒ نے کتاب اللہ اور اذکار کے ذریعہ رقیہ کو سنت قرار دیا ہے، البتہ عجمی لغت اور نامعلوم زبان سے رقیہ کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے اس احتمال کے بنا پر کہ شاید اس میں کفر یا شرک کی آمیزش ہو۔

الحالة الرابعة اعنى الرقى بكتاب الله وبالا ذكار الوارده وذاك سنة، قال الامام ابو عبد الله المارزى ينهى عن الرقى اذا كانت باللغة العجمية، او بما لا يدري معناه لجواز ان يكون فيه كفر.

توکل کے لئے ترک اسباب ضروری نہیں

امام غزالی شافعیؒ کا فیصلہ

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں مستقل باب کے تحت اسباب اور توکل کی بحث کو تحریر فرمایا ہے اور لمبی بحث کے بعد اسباب کی تین قسمیں اسباب قطعیه،

۱۔ المدخل لابن الحاج المالکی ص ۱۱۳ ج ۲۔ المدخل لابن الحاج المالکی ص ۱۲۱ ج ۲

ظنیہ، وہمیت تحریر فرماتے ہوئے فیصلہ کن بات یہ تحریر فرمائی ہے کہ توکل کے شرائط میں اسباب کو ترک کرنا نہیں ہے، اسباب اختیار کرنے کے ساتھ بھی آدمی متوکل رہتا ہے، البتہ اسباب وہمیت (مثلاً رقیہ، تعویذ، جھاڑ پھونک وغیرہ) گوجائز ہوں، توکل کے لئے ایسے اسباب وہمیت کے ترک کو ضروری قرار دیا ہے، اس کے علاوہ اسباب قطعہ وظنیہ کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اور ان سب کو دلائل شرعیہ، احادیث نبویہ سے ثابت فرمایا ہے، امام غزالی کی مختصر عبارت ہے۔

ولیس من شروط التوکل ترک الاسباب الدافعة راسا... تنقسم هذه الاسباب الى مقطوع بها ومظنونة والى موهومة فترک الموهوم منها من شرط التوکل وهى التى نسبتها الى دفع الضرر نسبة الكى والرقية الخ۔

اسباب اختیار کئے بغیر تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا فیصلہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں آیت وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ کے تحت مسائل السلوک میں تحریر فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حالت سفر میں زادِ راہ (توشہ) انتظام کرنے کا حکم دیا ہے جو ظاہر ہے کہ اسباب میں سے ہے، اور اس کے بعد تقویٰ کا حکم دیا ہے یعنی تقویٰ کے حاصل ہونے کو زادِ راہ لینے پر موقوف کیا ہے، اگر زادِ راہ کا انتظام کرو گے تو تقویٰ حاصل ہوگا ورنہ نہیں، اور تقویٰ حاصل کرنا واجب ہے لہذا زادِ راہ لینا اور یہ سبب اختیار کرنا بھی واجب ہے حضرت تھانویؒ کے الفاظ یہ ہیں:

۱۔ احیاء العلوم الفن الثالث فی مباشرہ الاسباب ص ۲۷۱ ج ۲ مطبوعہ ممبئی

”یہ امر بالزاد کے لئے مثل مقدمہ ثانیہ کے ہے، اور تقریر مطلوب کی یہ ہے کہ زاد (توشہ لینا) تقویٰ کا سبب ہے اور تقویٰ واجب ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ زاد (توشہ لینا) سبب ہے واجب کا پس وہ بھی واجب ہے۔“

اسباب چھوڑ کر توکل کرنا تعلیم قرآن کے خلاف ہے

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا فیصلہ

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر

فرماتے ہیں:

توکل کے معنی یہ نہیں کہ تمام اسباب ظاہری سے بالکل قطع تعلق کر کے اللہ پر اعتماد کیا جائے، بلکہ توکل یہ ہے کہ تمام اسباب ظاہری کو اپنی قدرت کے مطابق جمع کرے اور اختیار کرے، اور پھر نتائج اللہ کے سپرد کرے، اور ان ظاہری اسباب پر فخر و ناز نہ کرے، بلکہ اعتماد صرف اللہ پر رہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے، خود اسی جہاد میں مسلمانوں کے لشکر کو جنگ کے لئے منظم کرنا، اپنی قدرت کے موافق اسلحہ اور دیگر سامان حرب فراہم کرنا، محاذ جنگ پر پہنچ کر مناسب حال و مقام نقشہ جنگ تیار کرنا، مختلف مورچے بنا کر صحابہ کرام کو ان پر بٹھانا وغیرہ یہ سب مادی انتظامات ہی تو تھے جن کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے استعمال فرما کر بتلا دیا کہ مادی اسباب بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں، ان سے قطع نظر کرنے کا نام توکل نہیں۔

۱۔ بیان القرآن مسائل السلوک سورہ بقرہ

البتہ اس کے ساتھ چونکہ شریعت کا حکم یہ بھی ہے کہ اسباب تو اختیار کرو لیکن اسباب پر بھروسہ نہ کرو بلکہ پورا بھروسہ اللہ کی ذات ہی پر ہو اور یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو اسباب پر مسبب اور نتیجہ مرتب ہوگا ورنہ نہیں، اللہ کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف نظر کرنے والا اور صرف اسباب کو سب کچھ سمجھنے والا اور اسی پر نظر رکھنے والا مشرک ہوگا کیونکہ مشرکین ہی کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ اسباب میں تاثیر ذاتی کے قائل تھے، اسباب کے تعلق سے مؤمن اور مشرک میں یہی فرق ہے کہ مؤمن اسباب اختیار کرنے کے بعد بھی اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتا ہے اور اسباب سے فائدہ ہونے کو بھی اللہ کی مشیت پر موقوف قرار دیتا ہے، جب کہ مشرکین اسباب ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر بھی اسباب کو مؤثر مانتے ہیں، اسی پوری حقیقت کو حضرت مولانا الیاس صاحب نے چند مختصر لفظوں میں ارشاد فرما دیا ہے فرماتے ہیں:

”اسباب نہ کرنے والا زندیق اور پھر اسباب پر نظر رکھنے والا مشرک“ ا

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا، چنانچہ دوا، علاج معالجہ، پرہیز جو سب اسباب ظنیہ میں سے ہے ایسے اسباب اختیار کرنے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کو آپ کتنا ضروری سمجھتے تھے اور اس کے مطابق آپ کا کتنا عمل تھا، آپ کے مندرجہ ذیل ارشاد سے واضح ہے۔

اخیر عمر میں جب کہ آپ پر توکل اور توحید و تبلیغ کا غلبہ بھی تھا اس وقت آپ جن حکیم صاحب کے زیر علاج تھے ان کی تشریف آوری کے وقت حکیم صاحب سے آپ نے ارشاد فرمایا:

”حکیم صاحب! میں تو آپ کے پرہیز کے مطابق عمل کرنا شرعی فرض سمجھتا ہوں

کیا یہ کم ہے کہ میں نماز میں قیام کے ثواب سے سے محروم ہوں (اور بجائے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کے بیٹھ کر ادا کرتا ہوں)۔^۱
 نیز ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

پر ہیز کرنا فرض ہے، علاج سنت ہے۔^۲

بلکہ اسباب کی تیسری قسم یعنی اسباب وہمیہ جس کا مصداق رقیہ وغیرہ قرار دیا گیا ہے، اخیر عمر میں رقیہ یعنی لوگوں کا آپ پر اہتمام سے دم کرنا اور آپ کا دم کروانا بھی منقول ہے، ملاحظہ ہو مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی دینی دعوت ص ۲۵۱

اسباب کے تعلق سے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے چند ارشادات

اسباب کے تعلق سے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے چند بصیرت افروز واضح ارشادات اور ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں:

”اسباب ہوتے ہوئے اسباب پر نظر نہ ہو مشکل ہے، اسباب نعم (یعنی حق تعالیٰ کی نعمتیں) ہیں، اسباب کا تلبس استعمال نعمت کے درجہ میں ہو، نہ کہ ان پر نظر جم کر خالق کے بجائے ان سے جی لگ جائے“۔^۳
 نیز ارشاد فرماتے ہیں:

اسباب کو برتنا توکل کے خلاف نہیں بلکہ اسباب پر نظر کرنا توکل کے خلاف ہے۔^۴

اسباب کو اوامر (یعنی حکم شرعی) کے ماتحت برتو، نہ کہ اسباب کو یقین کا درجہ

دے دو۔^۵

۱۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی دینی دعوت ص ۱۶۲ ۲۔ ارشادات و مکتوبات ص ۶۷ ۳۔ ارشادات و مکتوبات حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحبؒ ص ۹ ۴۔ ارشادات و مکتوبات ص ۶۱ ۵۔ (ارشادات و مکتوبات ص ۷۵

ایک ملفوظ کے ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں:

دنیاوی کاموں کے اسباب ہیں کہ اولاد کی ضرورت ہے تو اس کے اسباب اختیار کرو اور پھر دعا کرو، اسباب پر بھروسہ مت کر بیٹھو۔

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

جتنا کر سکتے ہو اتنا کر کے اللہ کے حوالے کر دو، پھر توکل کرو۔ (ص ۲۴)

نیز ارشاد فرماتے ہیں:

پہلے اسباب میں خوب کوشش کر لیوے اور (پھر) اللہ پر بھروسہ کرے۔ (ص ۸۵)

اسباب حاصل نہ ہونے کی صورت میں ہدایت فرماتے ہیں:

”اسباب ختم ہونے کے بعد (یعنی اسباب حاصل نہ ہونے کی صورت میں مایوسی اور) یاس نہ آنے پائے، اللہ سے مایوس نہ ہونا چاہئے، بس اس وقت (یعنی جب اسباب کا اختیار کرنا بس میں نہ ہو اس وقت) اللہ تعالیٰ سے مانگو، اضطراری حالت کی دعا قبول ہوتی ہے“۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب^۲ کے ان ارشادات سے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ کائناتی نظام کے تحت دنیوی اور مادی اسباب اہل ایمان کے لئے بھی صرف امتحان کے لئے نہیں بلکہ اختیار کرنے کے لئے ہیں، البتہ اسباب اختیار کرنے کے بعد بھی نظر صرف اللہ ہی پر رہنی چاہئے۔

۱۔ ارشادات و مکتوبات ص ۲۰ ۲۔ (ارشادات و مکتوبات مولانا محمد الیاس صاحب مطبوعہ دہلی ص ۷۲)

اسباب کی اہمیت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

کی نظر میں سیرت طیبہ کی روشنی میں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ارشاد فرماتے ہیں:

”جناب رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے بڑھکر متوکل کون ہو سکتا ہے، متوکلوں کے امام، متوکلوں کے حاکم، متوکلوں کے معلم، متوکلوں کے سردار اور پیشوا جن سے دنیا نے توکل کا سبق سیکھا، آپ نے واقعات پر غور کیا، آپ نے گرد و پیش کا جائزہ لیا، آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے بدر میں ایک جگہ کے بارے میں حکم دیا کہ اس جگہ پڑاؤ ڈال دیا جائے، ایک صحابی (حابب بن المنذر) آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ نے اس جگہ کا انتخاب تقدیر الہی سے کیا ہے تو ہمارے لئے بولنے کی کوئی گنجائش نہیں، ہمیں بولنے کی کوئی ضرورت نہیں، جبکہ آپ نے اللہ کے حکم سے اس جگہ کا انتخاب کیا، لیکن اگر آپ نے بحیثیت قائد کے مناسب سمجھ کر اس جگہ کا انتخاب کیا ہے، بحیثیت انسان کے آپ نے اس جگہ کا انتخاب کیا ہے تو ہم ادب کے ساتھ عرض کریں گے کہ یہ جگہ جنگ کے لئے مناسب نہیں، یہاں پانی نہیں ہے، یہاں ہمارے سپاہیوں کو بڑی تکلیف ہوگی، آپ نے وہ مشورہ مان لیا اور لشکر کی وہ جگہ تبدیل کر دی، اور جو جگہ مناسب تھی اس جگہ کا آپ نے انتخاب کیا، آپ کہہ سکتے تھے کہ نصرت تو خدا کے ہاتھ میں ہے، فیصلہ تو آسمان سے ہوتا ہے، ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں، ہم چٹیل میدان میں، ہم کسی پہاڑ پر لشکر گاہ بنا سکتے ہیں، اللہ کی مدد آئیگی، تو ہم کو فتح ہوگی، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا (بلکہ آپ نے اسباب کا لحاظ کرتے ہوئے ان صحابی کے مشورہ کو قبول فرمایا۔)

اسی طرح غزوہٴ احزاب کے موقع پر آپ نے مدینہ میں رہ کر دشمنوں کے لشکر سے مقابلہ کرنا چاہا تو حضرت سلمان فارسی آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے موقع پر جب مقابلہ کرنے والے تھوڑی تعداد میں ہوں اور ان کے پاس وسائل کی کمی ہو تو ہم اپنے گرد خندق کھود لیا کرتے ہیں اور خندق کے سائے میں بیٹھ کر ان کا مقابلہ کرتے ہیں، آپ نے فوراً ان کا مشورہ قبول فرمایا ☆

پہلے اسباب پھر توکل

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ (پاکستان) کا مختصر مضمون

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اسباب ضرور اختیار کرو، لیکن تمہارا بھروسہ ان اسباب پر نہ ہونا چاہئے بلکہ بھروسہ اللہ جل شانہ کی ذات پر ہونا چاہئے، اور ان اسباب کو اختیار کرنے کے بعد یہ دعا کرو کہ یا اللہ! جو کچھ میرے بس میں تھا اور جو ظاہری تدابیر اختیار کرنا میرے اختیار میں تھا وہ میں نے کر لیا، لیکن یا اللہ ان تدابیر میں تاثیر پیدا کرنے والے آپ ہیں، ان تدابیر کو کامیاب بنانے والے آپ ہیں، آپ ہی ان میں تاثیر عطا فرمائیے اور آپ ہی ان کو کامیاب بنائیے۔

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف تدبیر اختیار کرنے کی اجازت دی بلکہ تدبیر اختیار کرنے کا حکم دیا کہ تدبیر اختیار کرو اور ان اسباب کو اختیار کرو، اس لئے کہ ہم نے ہی یہ اسباب

۱۔ زاد المعاد ص ۱۱۷ ج ۲ ☆ ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش کے قیام کے بعد زبان کی بنیاد پر ہونے والے فساد کے موقع پر کلکتہ کے ایک جلسہ عام میں حضرت مولانا علی میاں نے یہ تقریر فرمائی تھی جس کا اقتباس درج کیا گیا، حضرت مولانا کی یہ پوری تقریر ریکارڈ کر لی گئی تھی، احقر کے پاس نیز ندوۃ العلماء کے دوسرے اساتذہ و طلباء کے پاس محفوظ ہے۔ اس واقعہ کو مولانا علی میاں صاحب اپنی کتاب ”نبی رحمت“ ص ۲۵۱، ۲۱۷ میں بھی تحریر فرمایا ہے۔

تمہارے لئے پیدا کئے ہیں۔

لیکن تمہارا امتحان یہ ہے کہ آیا تمہاری نگاہ ان اسباب کی حد تک محدود رہ جاتی ہے یا ان اسباب کے پیدا کرنے والے پر بھی جاتی ہے، بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں یہ عقیدہ اس طرح پیوست فرمادیا تھا کہ ان کی نگاہ ہمیشہ مسبب الاسباب پر رہتی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسباب کو صرف اس وجہ سے اختیار کرتے تھے کہ ہمیں اسباب اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف حکم ہے۔

ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جنگل میں اوٹنی لے کر جاتا ہوں اور وہاں نماز کا وقت آجاتا ہے، تو جب نماز کا وقت آجائے اور اس وقت جنگل میں میں نماز کی نیت باندھنے کا ارادہ کروں تو اس وقت اپنی اوٹنی کا پاؤں کسی درخت کے ساتھ باندھ کر نماز پڑھوں یا اس اوٹنی کو نماز کے وقت کھلا چھوڑ دوں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کروں؟

جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اعقل ساقها وتوکل“ یعنی اس اوٹنی کی پنڈلی رسی سے باندھ کر پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو، یعنی آزادانہ چھوڑو بلکہ اس کو پہلے رسی سے باندھ دو، لیکن باندھنے کے بعد پھر بھروسہ اس رسی پر مت کرو بلکہ بھروسہ اللہ تعالیٰ پر کرو، اس لئے کہ وہ رسی ٹوٹ بھی سکتی ہے، وہ رسی دھوکہ بھی دے سکتی ہے، لہذا توکل اور اسباب کا اختیار کرنا یہ دونوں چیزیں ایک مومن کے ساتھ اس کی زندگی میں ساتھ ساتھ چلتی ہیں، پہلے اسباب اختیار کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے کہہ دے اللہم هذا الجهد وعلیک التکلان۔ ۱

یا اللہ جو تدبیر اور جو کوشش میرے اختیار میں تھی وہ میں نے کر لی اب آگے بھروسہ آپ کی ذات پر ہے۔ ۲

۱۔ رواہ الترمذی ابواب الدعوات باب ۳۰ ۲۔ اسلام اور جدید معاشی مسائل ص ۱۴۹، ۱۵۵

علماء اہل سنت و الجماعت کا اتفاقی مسئلہ اور تمام فقہاء کا فیصلہ

اسباب کی تین قسمیں قطعہ، ظنیہ، و ہمیہ

اخیر میں علماء اہل سنت و الجماعت اور جمہور علماء کا اسباب اختیار کرنے نہ کرنے کے تعلق سے جو شرعی فیصلہ ہے اس کو تحریر کیا جاتا ہے، جو فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے جس کو علماء کی بڑی تعداد نے متفقہ رائے سے مرتب کیا ہے اور پوری امت نے اس کو تسلیم کیا ہے، آج تک کسی عالم نے اس کے خلاف نہیں کہا وہ یہ ہے:

اعلم أن الأسباب المزیلة للضرر تنقسم الی مقطوع بہ كالماء المزیل لضرر العطش، والخبز المزیل لضرر الجوع، والی مظنون كالفسد والحجامة وشرب المسهل، وسائر ابواب الطب وهی الاسباب الظاهرة فی الطب، والی موهوم كالکی والرقيه.

اما المقطوع بہ فلیس ترکه من التوکل بل ترکه حرام عند خوف الموت، واما الموهوم فشرط التوکل ترکه، اذبه وصف رسول الله صلی الله علیه وسلم واله المتوکلین، واما الدرجه المتوسطة وهو المظنونة كالدواء بالاسباب الظاهرة عند الاطباء ففعله لیس مناقضاً للتوکل، بخلاف الموهوم وترکه، لیس محظوراً کذا فی الفصول العمادیه۔

ومن امتنع من الأكل حتی مات دخل النار بخلاف المريض الممتنع عن التداوی لان الاول مقطوع لدفع الهلاك..... وترک المقطوع معارضة مع الشارع فی ابطال سببه المشروع الخ۔

پوری عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اسباب کی تین قسمیں ہیں قطعہ، ظنیہ،

۱۔ فتاویٰ عالمگیری ص ۳۵۵ ج ۵۔ ۲۔ فتاویٰ بزازیہ علی الہامش، کتاب الکرہیہ، نوع فی المسجد ص ۳۵۸ ج ۶

وہمیت، اسباب قطعیت وہ ہیں جس پر نتیجہ مرتب ہونا یقینی ہو مثلاً پانی پینے سے پیاس بجھنا، روٹی کھانے سے بھوک دفع ہونا، اسباب ظنیہ (جس پر نفع مرتب ہونے کا ظن غالب ہو) جیسے پچھنا لگوانا، دست آورد لینا، اور علاج معالجہ کی تمام قسمیں اور مختلف صورتیں، طب و ڈاکٹری کا پورا باب اسباب ظنیہ میں سے ہے، تیسری قسم اسباب وہمیت ہے (جس پر نفع مرتب ہونے کا احتمال ہے) جیسے رقیہ جھاڑ پھونک وغیرہ۔

پہلی قسم یعنی اسباب قطعیت کا حکم یہ ہے کہ ایسے اسباب کو ترک کرنا توکل نہیں، بلکہ موت کے اندیشہ کے وقت ایسے اسباب کا ترک کرنا حرام ہے، البتہ اسباب وہمیت، رقیہ جھاڑ پھونک والے اسباب کا ترک کرنا گو وہ جائز بھی ہوں لیکن توکل کے اعلیٰ مقام کے لئے ایسے اسباب کا ترک کرنا شرط ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متوکلین کا یہی وصف بیان فرمایا ہے کہ وہ رقیہ (جھاڑ پھونک) نہیں کرتے، رہ گیا دوسرا درجہ یعنی اسباب ظنیہ جیسے دواء علاج معالجہ اور دیگر تمام اسباب ظاہرہ تو ان اسباب کا اختیار کرنا بھی توکل کے منافی نہیں، بخلاف اسباب وہمیت کے کہ ان کا اختیار کرنا توکل کے منافی ہے اور ان کا ترک کرنا ممنوع نہیں، جب کہ دوسرے اسباب (قطعیت و ظنیہ) کا ترک ممنوع ہے واللہ اعلم، یہ ہے فتاویٰ عالمگیری کی پوری عبارت کا حاصل۔

فتاویٰ بڑازیہ میں ہے کہ جس نے کھانا کھانا چھوڑ دیا حتیٰ کہ مر گیا دوزخ میں داخل ہو گیا بخلاف اس بیمار کے جو علاج نہ کرائے، کیونکہ اول کا تعلق سبب قطعی سے ہے اور قطعی سبب کا ترک کرنا شریعت کا مقابلہ کرنا ہے۔

جمہور علماء اور اہل سنت والجماعت کے مذکورہ بالا فیصلہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اسباب کے مختلف اقسام ہیں، بعض اسباب کا اختیار کرنا واجب ہے اور بعض اسباب کا اختیار کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور افضل ہے البتہ ایک قسم یعنی اسباب وہمیت جیسے رقیہ، عملیات، تعویذات، جھاڑ پھونک وغیرہ اگرچہ جائز ہوں

لیکن ایسے اسباب کا ترک کرنا افضل ہے (یہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ اس میں بھی تفصیل ہے جو آگے آرہی ہے)۔

لہذا اسباب کے تعلق سے علی الاطلاق یہ کہنا کہ اسباب غیروں کے اطمینان کے لئے اور ہمارے امتحان کے لئے ہیں، اسباب پر اللہ کا کوئی وعدہ نہیں، کامل ایمان کی علامت یہ ہے کہ اسباب سے اثر اور نفع ہونے کا یقین بالکلیہ دل سے نکل جائے، اور اسباب جو اللہ کے بنائے ہوئے ہوں یا بندوں کے جب تک دونوں قسم کے اسباب کا انکار نہیں ہوگا ایمان ہرگز کامل نہیں ہو سکتا، یہ بات بھی علی الاطلاق صحیح نہیں کیونکہ جب اسباب اختیار کرنے کے ہم مکلف ہیں پھر اس کے انکار کے کیا معنی؟

اسباب قطعیت کا جب قطعی اور یقین کے درجے میں باذن اللہ نافع ہونا ثابت ہے جیسے کھانا کھانے سے پیٹ بھرنا وغیرہ، اسی طرح اسباب ظنیہ کا جب ظن کے درجے میں نافع ہونا ثابت ہے تو اس کے مطابق دل میں عقیدہ ہونا بھی کمال ایمان کے منافی نہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ اسباب کا قطعی یا ظن کے درجے میں نافع اور موثر ہونا اللہ کی مشیت اور اس کی اجازت پر موقوف ہے کہ یہ تاثیر اللہ کے رکھنے سے اور اس کی مشیت سے ہوئی ہے وہ جب چاہے اس خاصیت اور تاثیر کو سلب کر سکتا ہے۔

البتہ اللہ کی طرف سے نظر ہٹا کر اسباب ہی کو مؤثر بالذات سمجھنے کا عقیدہ جیسا کہ کفار و مشرکین اور ملحدین کا عقیدہ تھا یہ بیشک ایمان کے منافی ہے پھر جس درجہ کا یہ غلط خیال ہوگا اسی درجے میں ایمان سے بعد ہوگا اگر بالکلیہ تاثیر ذاتی کا عقیدہ ہوگا جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ تھا تو یہ شخص دائرہ ایمان سے بھی خارج ہو جائے گا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اسباب کا اختیار کرنا ایک شرعی حکم ہے یہ محض امتحان کے لئے نہیں بلکہ اختیار کرنے کے لئے ہیں اور اسباب کے ذریعہ بندوں کو اطمینان بھی ہوتا ہے البتہ ساتھ ہی بندے اس کی بھی مکلف ہیں کہ اسباب اختیار کرنے کے بعد پورا اعتماد و یقین اللہ کی ذات ہی پر ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اسبابِ ظنیہ و وہمیہ کے تعلق سے ایک ضروری وضاحت

اور اس اشکال کا جواب کہ رقیہ کرنے والے اجلہ صحابہ

وصحابیات کیا توکل کے اعلیٰ مقام پر فائز نہ تھے؟

فتاویٰ عالمگیری کی عبارت اور امام غزالیؒ کے حوالہ سے ماقبل میں یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ اسباب و وہمیہ (جس کا مصداق رقیہ جھاڑ پھونک وغیرہ ہے) کا ترک افضل ہے اور اس کا اختیار کرنا توکل کے اعلیٰ مقام کے منافی ہے۔
نیز حدیث شریف میں آیا ہے:

سبعون ألفاً يدخلون الجنة بغير حساب... هم الذين لا يسترقون

وعلیٰ ربہم یتوکلون (مختصراً)

جس کا مطلب یہ ہے کہ ستر ہزار لوگ بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے، اور وہ وہ لوگ ہوں گے جو رقیہ نہ کراتے ہوں گے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہوں گے۔

اس پر ایک قوی اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس نوع کے اسباب کا اختیار کرنا یعنی رقیہ کرنا، کرانا، اس کی ترغیب دینا، اس کی تعلیم دینا، اس کا حکم دینا اور اہتمام سے اس کو اختیار کرنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجلہ صحابہ و صحابیات نیز ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بھی بکثرت اور بار بار ثابت ہے۔

تو کیا نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجلہ صحابہ و صحابیات اور ازواج مطہرات توکل کے اعلیٰ مقام پر فائز نہ تھے؟ اور ستر ہزار افراد جو بغیر حساب کتاب کے

جنت میں داخل ہوں گے جو حدیث کے بموجب وہ لوگ ہوں گے جو لایسترقون یعنی رقیہ نہ کراتے ہوں گے، تو کیا اجلہ صحابہ و صحابیات اور ازواج مطہرات بھی ان ستر ہزار لوگوں میں شامل نہ ہوں گے؟۔

کیونکہ یہ تو یقینی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے خود بھی اپنے لئے رقیہ کیا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

كان النبي صلى الله عليه وسلم يقول فى الرقية الخ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رقیہ میں یہ کلمات..... پڑھا کرتے تھے۔

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کے لئے رقیہ کیا، اور آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کے کرنے کا حکم بھی دیا، جیسا کہ مندرجہ ذیل روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

عن عائشہ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا آوى الى فراشه نفث فى كفيه بقل هو الله احد وبالمعوذتين جميعاً... فلما اشتكى كان يامرني ان افعل بذلك به. ۲

فلما ثقل كنت انا انفث عليه بهن (بخاری شریف ۵۷۵۱)

عن عائشہ قالت امرني النبي صلى الله عليه وسلم ان نسترقى

من العين - ۳

نیز بعض موقعوں پر صحابہ و صحابیات کو بھی آپ نے رقیہ کرنے کا حکم دیا چنانچہ ارشاد ہے:

استرقولها فان بها النظرة ۴

۱ بخاری شریف عن عائشہ حدیث ۵۷۴۶ ۲ بخاری حدیث: ۵۷۴۸ ۳ بخاری شریف حدیث: ۵۷۳۸

۴ بخاری شریف حدیث ۵۷۳۹

اس بچی کے لئے رقیہ کروا سے نظر لگی ہے۔

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو نظر لگ جانے سے رقیہ کرنے کا حکم دیتے تھے۔

عن عائشہ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یامرنی ان

استرقی من العین!

نیز ایک مرتبہ ایک بچھونے آپ کو ڈنک مار دیا اس کے موقع پر آپ نے خود

اپنے لئے رقیہ کیا۔^۲

نیز دوسرے موقع پر ایک صحابی کو بچھو کے ڈنک مارنے پر صحابہ کو بھی رقیہ کی

اجازت اور ترغیب فرمائی۔

جابر بن عبد اللہ یقول لدغت رجلا منا عقرب ونحن جلوس مع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رجل یا رسول اللہ ارقی؟ قال من

استطاع منکم ان ینفع اخاه فلیفعل۔^۳

نیز حدیث پاک میں آیا ہے کہ معتوہ و مجنون کا رقیہ کے ذریعہ آپ تین روز تک

علاج فرماتے تھے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرقی المعتوہ بالفاتحة

ثلاثة ايام غدوة وعشيا ، كلما ختمها جمع بزاغه ثم تفلته۔^۴

نیز بعض موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے صحابہ پر خود بھی رقیہ

کیا چنانچہ ثابت بن قیس بن شماس کی بیماری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس

تشریف لے گئے، دعاء پڑھی، ایک برتن میں پانی لیا، اس میں کچھ مٹی ڈالی اور دم کیا پھر

۱۔ مسلم شریف ص ۲۲۳ ج ۲ بہیقی عن علی مشکوٰۃ شریف حدیث: ۴۵۶۷۷ ۳۔ مسلم شریف باب استحباب

الرقیة من العین ص ۲۲۳ ج ۲ ابو داؤد، نسائی، مرقاۃ ص ۷۴ ج ۸

وہ پانی ان کے اوپر ڈالا (یہ خاص نوع کا رقیہ تھا جس کی تفصیل فتح الباری میں موجود ہے)

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل علی ثابت بن قیس بن شماس وهو مریض فقال ”اکشف الباء س رب الناس عن ثابت بن قیس بن شماس“ ثم اخذت راباً من بطحان فجعله فی قدح ثم نفث علیہ بماء وصبہ علیہ۔^۱

نیز رقیہ کے سیکھنے سکھانے کی ترغیب بھی آپ نے دی، چنانچہ ایک صحابیہ (شفابت عبداللہ) سے فرمایا کیا تم حفصہ کونملہ (جو ایک مرض ہے) کا رقیہ نہیں سکھاؤ گی جیسا کہ تم نے اس کو کتابت سکھائی ہے؟۔

الاتعلمین هذه رقية النملة كما علمتها الكتابة^۲

نیز رقیہ کرنے والے صحابہ کی آپ نے حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔

چنانچہ ایک صحابی نے رقیہ کر کے اجرت لی تو اس کے جواز میں صحابہ کو تردید تھا، آپ سے سوال کیا گیا تو آپ ہنسے اور ان صحابی سے فرمایا کہ تمہے کیسے معلوم ہوا کہ اس سورت میں رقیہ (مرض کا علاج) ہے؟ اجرت لے لو، میرا بھی اس میں حصہ لگاؤ۔

۔۔ فضحک وقال ما ادراک انها رقية خذوها واضربولي بسهم^۳

نیز عمومی انداز میں آپ نے رقیہ کرنے کی ترغیب بھی دی، چنانچہ ایک صحابی سے ان کا رقیہ سننے کے بعد فرمایا: اس رقیہ میں کوئی حرج نہیں، تم میں سے جو شخص اس راہ سے اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو پہنچانا چاہئے۔

مااری بها بأسأ من استطاع منکم ان ینفع اخاه فلینفعه^۴

۱۔ ابوداؤد شریف باب ماجاء فی الرقی، بذل ص ۵۸ ج ۵، فتح الباری ص ۲۵۶ ج ۱۰ ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف

حدیث ۲۵۶۱، بذل ص ۵۸ ج ۵، بخاری شریف باب الرقی بفاتحة الكتاب حدیث ۵۷۳۶

۲۔ مسلم شریف حدیث ۲۱۹۹ مشکوٰۃ شریف حدیث ۲۵۲۹

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ ایک یہودیہ سے رقیہ کرایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ یہ فرمایا کہ کتاب اللہ سے کرنا۔

ان ابابکر الصديق دخل على عائشه وهي تشتكى ويهوديه ترقبها فقال ابوبكر ارقبها بكتاب الله۔
نیز بعض صحابہ کرام نے اپنے بچوں کو تعویذ پہنایا:

وكان عبد الله بن عمر ويعلمها من بلغ من ولده

ومن لم يبلغ منهم كتبها في صك ثم علقها في عنقه۔^۲

نیز ولادت کے آسانی کا تعویذ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے جس کو علامہ ابن تیمیہ وابن قیم نے نقل فرمایا ہے، ساتھ ہی سلف کی جماعت سے رقیہ کے طور پر آیات قرآنیہ لکھ کر پلانے کو بھی تحریر فرمایا ہے۔

ورای جماعة من السلف أن يكتب له الآيات

من القرآن ثم يشربها، قال مجاهد لا بأس أن يكتب

القرآن ويغسله، ويسقيه المريض ومثله، عن ابى

قلاية، ويذكر عن ابن عباس انه امر أن يكتب لامرأة

يعسر عليها ولادها الخ۔^۳

كان شيخ الاسلام ابن تيمية رحمه الله يكتب

على جبهته ”وقيل يارض ابلعي ماء ك الخ“

۱۔ موطا مالک، ادجز ص ۳۰۹ ج ۶۔ ۲۔ ابوداؤد، ترمذی، مشکوٰۃ شریف ص ۲۱۷

۳۔ فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۶۲ ج ۱۱۹ الطب النبوی ۶، ۱۷، زاد المعاد ص ۱۸۰ ج ۳

رقیہ کے متعلق شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کا فتویٰ

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

الاسترقاء طلب الرقية وهو من
انواع الدعاء
استرقاء، رقیہ کرانے (یعنی جھاڑ پھونک
کرانے کو) کہتے ہیں، جو دعا کے اقسام
میں سے ہے۔
(الجامع الفريد، كتاب الزياره المسأله السابعه ص ۴۳۱)

رقیہ کا حکم تحریر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وما قول السائل هل هذا مشروع؟
فهذا من افضل الاعمال وهو من
اعمال الانبياء والصالحين فانه مازال
الانبياء والصالحون يدفعون الشياطين
عن بنى آدم الخ (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۶۳ ج ۱۹)
رہا سائل کا یہ سوال کہ کیا رقیہ جائز ہے؟
تو یہ تو افضل اعمال میں سے ہے، انبیاء
وصلحاء کے معمولات میں سے ہے کیونکہ
انبیاء وصلحاء رقیہ کے ذریعہ بنو آدم سے
شیطانوں کو بھگاتے تھے۔

رقیہ کے تعلق سے ایک موقع پر تحریر فرماتے ہیں:

يجوز بل يستحب وقد يجب ان
يذب عن المظلوم الخ
(حوالہ مذکور)
رقیہ جائز بلکہ مستحب اور بسا اوقات
واجب ہو جاتا ہے کہ اس نوع کے مظلوم
کی رقیہ کے ذریعہ مدد کی جائے۔

دوسرے موقع میں تحریر فرماتے ہیں:

ويجوز ان يكتب للمصاب وغيره
من المرضى شيئاً من كتاب الله
وذكره بالمداد ويغسل ويسقى
كمانص علي ذالك احمد وغيره
لئلا يوشأني من كتاب الله وذكر الله
میں سے کچھ لکھنا اور دھو کر پلانا جائز ہے،
حضرات امام احمد وغیرہ نے اس کے جواز
کی صراحت فرمائی ہے۔
(فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۵۰، ۵۷، ۶۴ ج ۱۹)

رقیہ کی بابت شارح حدیث ملا علی قاریؒ کی تحقیق

حضرت ملا علی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں ایسے رقیہ کے متعلق جو آیات قرآنیہ، اسماء الہیہ کے ذریعہ کئے جائیں تحریر فرماتے ہیں:

فلابأس بل يستحب سواء
یعنی آیات قرآنیہ، اسماء الہیہ کے ذریعہ جو رقیہ
کان تعویذا أورقية او نشرة
کیا جائے اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ مستحب ہے
(مرفقاہ شرح مشکوٰۃ
ص ۵۰۹ ج ۴ قدیم)
خواہ تعویذ کی شکل میں ہو یا رقیہ (جھاڑ پھونک، دم
کرنے) یا نشرہ (یعنی لکھ کر گھول کر پلانے) کی
شکل میں۔

صاحب تحفۃ الاحوذی علامہ مبارکپوریؒ کی تحقیق

غیر مقلدوں کے بڑے عالم اہل حدیث جناب علامہ مبارک پوریؒ نے اپنی کتاب ”تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی“ کے مقدمہ میں اس مسئلہ سے متعلق تحقیقی کلام فرمایا ہے اور دلائل کے ساتھ واضح طور پر فرمایا ہے کہ:

”ایسا رقیہ جس میں شرک نہ ہو اور ایسے کلمات بھی نہ ہوں جس کے معنی معلوم نہ ہوں، ایسا رقیہ بالاتفاق جائز ہے، اور کسی رقیہ کا جواز اس کے کتاب و سنت سے ثبوت اور منقول ہونے پر موقوف نہیں (یعنی کسی رقیہ کی جواز کے لئے اس رقیہ کا منقول و ماثور ہونا ضروری نہیں بلکہ تجربہ اور ظن غالب سے جس رقیہ کا مقصد میں مفید ہونا معلوم ہو، جواز کے لئے اتنا کافی ہے، بس اتنی شرط ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ کلمات شرکیہ اور نامعلوم المعنی سے کلمات سے خالی ہو)۔“

اسی طرح مریضوں کی شفا یابی کے لئے نیز دفع مصائب اور حصول مقاصد

کے لئے ختم بخاری شریف کا نہ صرف جواز بلکہ اہل علم اور محدثین کے حوالہ سے اس کا مفید و موثر ہونا تحریر فرمایا ہے، ان کی مختصر عبارت درج ذیل ہے۔

”ان صحیح البخاری ماقری فی شدة الافرجت ولا ركب به فی مركب الانجت“.

قلت: قد اجاز كثير من أهل العلم في هذا الزمان قرآة صحیح البخاری و ختمه لشفاء الأمراض و دفع المصائب و حصول المقاصد فيجتمعون و يقر بعضهم الجزء الاول منه مثلاً و بعضهم الجزء لثانی و بعضهم الثالث و هكذا فيجتمعون باجتماعهم ثم يدعون الله تعالى لشفاء مرضاهم او لدفع مصائبهم او لحصول مقاصدهم .

و استدلو اعلیٰ ذالك بان قراءته بتمامه رقية لشفاء المرضى و دفع المصائب و حصول المقاصد و الرقية بما ليس فيه شرك و لا كلمة لا يفهم معناها جائزة بالاتفاق و جواز الاسترقاء به لا يتوقف على ثبوت كونه رقية من الكتاب و السنه الخ۔

رقیہ کے متعلق سعودی حکومت کے دارالافتاء کا فتویٰ

نیز سعودی حکومت کی ماتحتی میں وہاں کے معتمد کبار اہل علم و ارباب افتاء پر مشتمل کمیٹی جو فتاویٰ صادر کرتی ہے جس میں شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز وغیرہ حضرات جیسے لوگ شامل ہیں، جن کے فتاویٰ تمام عالم میں قدر و عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے اور قابل قبول سمجھے جاتے ہیں، ان حضرات کا فتویٰ بھی رقیہ کے نہ صرف جواز کا بلکہ استحباب کا ہے۔

السؤال الرابع من الفتوى رقم ۴۰۸۶

س: هل تجوز قراءة القرآن لمريض لوجه الله تعالى او باجرة؟

ج: اذا كان المقصد ان يرقى المريض بالقرآن فذلك جائز بل

مستحب لقول النبي صلى الله عليه وسلم "من استطاع منكم ان ينفع اخاه فلينفعه" ۱

ولفعله ذلك واصحابه رضی اللہ عنہم، والاولیٰ ان يكون بغير

اجرة، وان كان باجرة جاز لثبوت السنة بجواز ذلك، ۲

اس فتوے میں مریضوں کی شفاء کے لئے قرآن پاک سے رقیہ کرنے کو نہ صرف

جائز بلکہ مستحب لکھا ہے۔

واقعی اہم سوال

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ سارے اجلہ صحابہ و صحابیات، وازواج مطہرات نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء و صلحاء اور فقہاء کیا خلاف افضل کو اختیار کئے ہوئے تھے کیونکہ رقیہ کرتے اور کراتے اور اس کی اجازت دیتے تھے؟ اور کیا یہ حضرات خلاف توکل امر کو اختیار کرنے کی وجہ سے توکل کے اعلیٰ مقام پر فائز نہ تھے؟ اور کیا یہ سارے حضرات بھی ستر ہزار کی اس فہرست سے خارج ہوں گے جو جنت میں بغیر حساب و کتاب کے داخل کئے جائیں گے؟

قابل غور بات یہ ہے کہ رقیہ کرنا کرانا اور اس کے ذریعہ مخلوق کی مدد کرنا، مظلوم کو ظلم سے بچانا خلاف توکل اور خلاف افضل کیسے قرار دیا جاسکتا ہے جب کہ ملا علی قاریؒ اس کو مستحب اور علامہ ابن تیمیہؒ اس کو مستحب اور بعض موقعوں پر واجب بھی قرار دیتے ہیں، اور آج بھی عرب و عجم کے معتمد علماء اس کے جواز و استحباب کا فتویٰ دے رہے ہیں؟

سوال کا واضح جواب

اس اشکال کا جواب شرح حدیث حافظ ابن حجرؒ اور امام نوویؒ، ملا علی قاریؒ وغیرہم نے اپنی شروح میں تفصیل سے تحریر فرمایا ہے، مختصر اور آسان جواب یہ ہے کہ اغراض و مقاصد اور وسائل و طرق کے لحاظ سے رقیہ رقیہ میں فرق ہوتا ہے، نیز حسن نیت اور فساد عقیدہ کی جہت سے بھی اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، ہر رقیہ کا حکم یکساں نہیں ہے، بلکہ اس میں تفصیل ہے جو درج ذیل ہے۔

(۱) ہر ایسا رقیہ جو آیات قرآنیہ، اسماء الہیہ، ادعیۃ مسنونہ و مشروعہ کے ساتھ ہو جس میں اللہ تعالیٰ ہی سے استغاثہ و استعانت ہو۔

جائز مقصد کے لئے مثلاً کسی مظلوم کی مدد کرنے یا کسی بیمار و پریشان حال کی بیماری اور پریشانی دور کرنے کے لئے۔

حسن نیت سے یعنی اتباع سنت کی نیت سے یا مخلوق کی خدمت کے نیت سے ہو، اپنے لئے ہو یا دوسرے کے لئے، خود کرتا ہو یا دوسرے سے کراتا ہو سب درست اور جائز بلکہ مستحب ہے۔

بلکہ علامہ ابن تیمیہؒ کے فرمان کے مطابق بعض صورتوں میں (یعنی کسی بیماری کی یقینی تکلیف اور پریشانی ہونے اور اس کے ازالہ کی قدرت ہونے کی صورت میں) حسب استطاعت رقیہ کے ذریعہ تکلیف دور کرنا اور مصیبت زدہ کی مدد کرنا واجب ہے۔ الغرض اس نوع کے جتنے رقیہ اور جس شکل میں بھی ہوں گے وہ نہ خلاف افضل ہیں اور نہ ہی توکل کے اعلیٰ مقام کے منافی، اور نہ ہی ایسے رقیہ کرنے والے حضرات جنت میں بے حساب کتاب جانے والوں کی فہرست سے خارج کئے جائیں گے۔

(۱) اسی نوع کے رقیوں کو حضرت ملا علی قاریؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ نے مستحب اور انواع دعا میں شمار کیا ہے کیونکہ اس میں براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا و استغاثہ و استعانت اور اللہ ہی پر توکل ہے۔

علامہ ابن قیم اور علامہ قرطبیؒ کی تحقیق

(۲) بلکہ علامہ ابن قیمؒ اور علامہ قرطبیؒ کی تصریح کے مطابق اس قسم کے رقیوں میں (جن میں اللہ پر توکل کرتے ہوئے اور اسی کو شافی سمجھتے ہوئے براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے استغاثہ و استعانت کی جائے ایسے رقیوں میں) کمال توحید بھی ہے اور کمال توکل بھی، اور کمال توکل الی اللہ اور تفویض الی اللہ بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کو مقصود اور شافی سمجھ کر اسی کی طرف رغبت اور التجا کی جاتی ہے تو پھر یہ توکل اور توحید کے منافی کیسے ہو سکتا ہے؟ ابن قیمؒ کے عبارت ملاحظہ ہو:

-- ففی هذبة الرقية توسل الى الله بكمال ربه و كمال رحمته بالشفاء، وانه، وحده، الشافي، وانه، لا شفاء الا شفاؤه، فتضمنت التوسل اليه بتوحيدہ۔۔۔ لمافيه من بركة ذكر اسم الله وتفويض الأمر اليه والتوكل عليه۔۔۔ لانہ تعالیٰ هو المرغوب اليه والتوكل عليه في الاستشفاء بالقرآن۔۔۔ (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نیز صحابہ و صحابیات، ازواج مطہرات اور اسلاف کے رقیے اسی نوع کے ہوتے تھے، اس لئے نہ وہ خلاف افضل ہیں نہ توکل کے منافی، اور ایسے ہی رقیوں کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے من استطاع منکم ان ینفع اخاه فلینفعه، (مسلم شریف) کہ اس راہ سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو پہنچائے۔

شراح بخاری علامہ عینیؒ کی تحقیق

(۴) علامہ عینیؒ شرح بخاری میں ”لا یسترقون“ کے تحت فرماتے ہیں:

قال ابو الحسن القابسی یرید بالاسترقاء الذی کانوا یسترقون بہ فی الجاہلیۃ، واما الاسترقاء بکتاب اللہ فقد فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم وامر بہ ولیس بمخرج عن التوکل وقدامر صلی اللہ علیہ وسلم غیر واحد من الصحابة بالرقیۃ وسمع بجماعة یرقون فلم ینکر علیہم۔
 علامہ عینیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ کو رقیہ کرنے کا حکم دیا اور صحابہ کی ایک جماعت کو رقیہ کرتے سنا لیکن کسی پر نکیر نہیں فرمائی، حدیث پاک میں جس رقیہ کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد زمانہ جاہلیت کا رقیہ ہے، باقی کتاب اللہ سے رقیہ تو یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہے اور اس کا حکم بھی دیا ہے، یہ توکل کے خلاف نہیں ہے۔

محدث کبیر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی تحقیق

(۵) محدث کبیر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ رقیہ مطلقاً خلاف توکل نہیں بلکہ جس نوع کے اسباب و رقیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے صرف اسی نوع کے رقیے خلاف توکل ہوں گے، چنانچہ حدیث لا یسترقون کے تحت فرماتے ہیں:

انما وصفہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہذا اعلاماً بان اثر التوکل ترک الاسباب التی نہی الشارع عنها، لا ترک الاسباب التی

سنہا اللہ تعالیٰ لعبادہ۔^۲

۱۔ عمدۃ القاری شرح بخاری ص ۲۲۵ ج ۲۱ ج ۲ حجۃ اللہ البالغہ، فتح الملہم ص ۳۹۸ ج ۲

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان میں کہ:

”میری امت کے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے اور وہ وہ لوگ ہوں گے جو رقیہ نہ کراتے ہوں گے“

آپ نے اپنے اس فرمان میں امت کو اس بات پر آگاہ فرمایا ہے کہ جن اسباب کے اختیار کرنے سے شارع نے منع کیا ہے ان کو ترک کر دیا جائے، توکل کا تعلق انہی اسباب ممنوعہ کے ترک سے ہے، نہ کہ ان اسباب کو ترک کرنے سے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مشروع اور جائز رکھا ہے۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا مطلقاً رقیہ کو ممنوع قرار دیا ہے یا بعض رقیوں کی اجازت بھی دی ہے؟ اس کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہو جاتا ہے، آپ فرماتے ہیں۔

”لاباء س بالرقی ما لم یکن فیہ شرک“^۱

یعنی ایسے رقیوں میں کوئی حرج نہیں جس میں شرک نہ ہو۔

جب ایسے رقیوں کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ثابت ہے تو یہ اسباب ممنوعہ و منہی عنہا میں داخل ہی نہ ہوں گے، لہذا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تحقیق و تصریح کے مطابق ایسے رقیوں کا اختیار کرنا خلاف توکل بھی نہ ہوگا۔

دوسرے موقع پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے پوری وضاحت و صراحت اور پورے وثوق کے ساتھ یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ رقیہ سے متعلق جو بھی حدیث پائی جاتی ہے جس میں رقیہ اور تمیمہ، تُولہ کو منع کیا گیا ہے وہ ساری حدیثیں ایسے ہی رقیوں اور تمائم پر محمول ہیں جن میں شرک پایا جاتا ہو، یا رقیہ اور تمیمہ پر ایسا قوی بھروسہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوری غفلت ہو بس ایسے ہی رقیے اور تمیمہ کی ممانعت ہے ورنہ

۱۔ مسلم شریف، باب لاباس بالرقی ما لم یکن فیہ شرک حدیث ۵۶۹۶

نہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت یہ ہے:

وکل حدیث فیہ نہی عن الرقی و التمام و التولة فمحمول علی ما فیہ شرک أو انهماک فی التسبب بحیث یغفل عن الباری جل شانہ^۱ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: رقیہ میں ایسے کلمات سے تمسک ہوتا ہے جو عالم امثال میں موثر ہوتے ہیں، قواعد شرعیہ اس کو بالکل منع نہیں کرتے جب تک کہ اس میں شرک کی آمیزش نہ ہو، خصوصاً وہ رقیہ جو قرآن و سنت یا اس کے مشابہ کلمات سے کیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف التجا اور اسی سے استغاثہ ہو وہ کیونکر ممنوع اور خلاف توکل ہو سکتا ہے۔

واما الرقی فحقیقتها التمسک بکلمات لها تحقق فی المثل و اثر ، والقواعد الملیمة لا تدفعها مالم یکن فیہا شرک لا سیما اذا کان من القرآن او السنة او مما یشبههما من التضرعات الی اللہ^۲

رقیہ کے جواز کی تین شرطیں

فائدہ: علماء محققین و شراح حدیث حافظ ابن حجرؒ، امام نوویؒ وغیرہ نے اس بات پر علماء کا اجماع نقل فرمایا ہے کہ تین شرطوں کے ساتھ رقیہ جائز ہے، وہ شرطیں یہ ہیں۔

(۱) اللہ کے کلام یا اس کے اسماء و صفات کے ذریعہ رقیہ کیا جائے۔

(۲) عربی لغت میں ہو یا ایسی زبان میں جس کے معنی معلوم ہوں (تاکہ کلمات کفریہ و شرکیہ سے پورے طور پر حفاظت رہے)

(۳) یہ عقیدہ نہ ہو کہ یہ رقیہ ہی موثر بالذات ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی قدرت سے اس میں تاثیر کا عقیدہ ہو۔

۱ حجۃ اللہ البالغہ ہندیہ ص ۱۹۲ ج ۲ حجۃ اللہ البالغہ ہندیہ ص ۱۹۲ ج ۲

قال الحافظ في الفتح وقد أجمع العلماء على جواز الرقي عند اجتماع ثلاثة شروط ان يكون بكلام الله تعالى او باسمائه وصفاته، وباللسان العربي او بما يعرف معناه من غيره، وان يعتقد ان الرقية لا تؤثر بذاتها بل بذات الله تعالى ۱۔

فائدہ: حافظ ابن حجرؒ نے علامہ قرطبی کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ رقیہ کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) زمانہ جاہلیت کے رقیہ جس کے معنی معلوم نہ ہوں، احتمال شرک کی بنا پر ایسے رقیوں سے پرہیز کرنا واجب ہے۔

(۲) کلام الہی یا اسماء الیہ کے ذریعہ رقیہ کیا جائے، ایسے رقیہ بلاشبہ جائز ہیں، پھر اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول بھی ہیں تو ایسے رقیہ مستحب بھی ہیں۔

(۳) کلام الہی (کتاب اللہ) اسماء الہیہ کے علاوہ کسی اور دوسری عبارت یا اسماء کے ذریعہ یا مخلوقات میں سے کسی کے تذکرہ کے ذریعہ رقیہ کیا جائے (بشرطیکہ مخلوق سے استغاثہ و استعانت نہ ہو) مثلاً کسی فرشتہ یا عرش وغیرہ کا نام لکھا جائے، ایسے رقیوں سے بچنا واجب تو نہیں ہے، اور نہ ہی یہ ایسے رقیہ ہیں جس میں اللہ کی طرف التجا اور اس سے استعانت کی جائے یا اس کے اسماء کے ذریعہ برکت حاصل کی جائے، ایسے رقیوں کا حکم یہ ہے کہ اس کا ترک افضل و اولیٰ ہے۔

قال الحافظ في الفتح قال القرطبي : الرقي ثلاثة اقسام.

احدها: ما كان يرقى به في الجاهلية مما لا يعقل معناه فيجب اجتنابه؛ لئلا يكون فيه شرک او يؤدى الى الشرک۔

الثانى: ما كان بكلام الله او باسمائه فيجوز فان كان ماثوراً

فيستحب۔

۱۔ والبسط في الفتح ص ۲۴۰ ج ۱۰ باب الرقي بالقرآن، شرح مسلم نووی ص ۲۱۹ ج ۲

الثالث: ما كان باسماء غير الله من ملك او صالح او معظم من المخلوقات كالعرش، قال فهذا ليس من الواجب اجتنابه، ولا من المشروع الذي يتضمن الالتجاء الى الله والتبرك باسمائه فيكون تركه اوليٰ-

فتح الباری و قرطبی کی مذکورہ بالا تفصیل کے پیش نظر ہم یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کے رقیبے قسم دوم سے تھے قسم ثالث یا اول سے نہ تھے اس لئے کوئی اشکال کی بات نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ممانعت کا تعلق نیز حدیث سبعون الفاً... ہم لایسترقون الخ۔ کا تعلق بھی قسم اول یا قسم ثالث سے ہے، قسم ثانی سے نہیں واللہ اعلم۔

خلاف توکل، ممنوع اور ناجائز رقیبے

البتہ ایسے رقیبے جن کی حیثیت اس سے مختلف ہو جس کا ما قبل میں ذکر ہوا یعنی اغراض و مقاصد کے لحاظ سے یا وسائل و طرق کے لحاظ سے یا دیگر اعتبار سے کبھی تو وہ خلاف افضل اور توکل کے منافی ہوں گے اور کبھی مکروہ و ناجائز اور کبھی حرام و شرک بھی ہوں گے جس کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے، (جو شرح حدیث اور فقہاء کے کلام سے سمجھ میں آتی ہے)

(۱) ایسا رقیبہ خواہ اس میں جواز کی شرطیں بھی پائی جاتی ہوں (جو ما قبل میں گذر چکی ہیں) لیکن خود اس رقیبہ میں یا رقیبہ کرنے والے کے ذہن میں اللہ تعالیٰ سے دعاء و استعانت اور اسی سے استمداد کا رجحان و استحضار نہ ہو اگرچہ عقیدہ بھی صحیح ہو کہ کرنے والی ذات اللہ ہی کی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ پر توکل اور اسی سے دعاء اور استعانت کا تصور و استحضار نہ ہو بلکہ مثل دیگر اسباب طبعیہ و طبیہ کے اس کو اختیار کیا جائے اس نوع کے تمام رقیبے بیشک خلاف افضل اور توکل کے منافی ہوں گے گو، جائز بھی ہوں۔

(۲) ایسے رقیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے ماثور ہوں یا ماثور تو نہ ہوں لیکن جواز کی شرطیں پائی جائیں اور حسن نیت سے یعنی دوسروں کو نفع پہنچانے کی نیت سے کئے جائیں تو ایسے رقیے بھی مستحب ہیں لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من استطاع منکم ان ینفع اخاه فلینفعه (مسلم)

(۳) ایسے رقیے جو فی نفسہ جائز اور مشروع ہوں لیکن فاسد نیت سے کئے جائیں مثلاً کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے، تفریق بین الزوجین کے لئے وغیرہ، ایسے رقیے فساد نیت کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہیں۔

ایسے ہی وہ رقیے اور عملیات بھی ناجائز حرام ہیں جن میں مکرو فریب اور جھوٹ سے کام لیا جائے یا کسی حرام کار ارتکاب کیا جائے جیسا کہ آج کل کثرت سے عاملین اس میں مبتلا ہیں، مثلاً حقیقت سمجھ میں نہ آنے اور یقین نہ ہونے کے باوجود مریض سے یہ کہہ دینا کہ تم پر آسیب یا جادو کا اثر ہے یا خون وغیرہ سے تعویذ لکھنا یا کسی گندی اور ناپاک چیز کا استعمال کرنا وغیرہ وغیرہ۔

(۴) ایسے رقیے جن کے معنی معلوم نہ ہوں احتمال شرک کی بناء پر مکروہ و ممنوع ہیں۔
(۵) اور ایسے رقیے جس میں یقینی طور پر غیر اللہ سے استمداد و استعانت ہو یا کلمات کفریہ و اقوال شرکیہ پر مشتمل ہوں، یا زمانہ جاہلیت کے طرح تاثیر ذاتی کے عقیدہ کے ساتھ ہوں ایسے رقیے کفر و شرک اور قطعی حرام ہیں، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں اور ایسے ہی رقیوں کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان الرقی والتمائم، والتولہ شرک، من علق تمیمة فقد اشرك
وغیر ذالک (ابوداؤد شریف)

کہہ رقیہ اور تمیمہ اور تولہ (شوہر کو مسخر کرنے کا جادو) شرک ہے، جس نے تمیمہ لٹکا یا اس نے شرک کیا۔

قال الشوكاني في نيل الاوطار يجعل هذه الثلاثة من الشرك

لاعتقادهم ان ذلك يوتر بنفسه ۱۔

علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں ان تین باتوں کو شرک اس واسطے کہا گیا ہے کہ مشرکین مکہ ان میں تاثیر ذاتی کا عقیدہ رکھتے تھے یعنی اللہ کی مشیت کے بغیر بھی ان کو مؤثر بالذات سمجھتے تھے۔

قال القاری فی شرح المشکوٰۃ المراد من التمیمة ما کان من

تمائم الجاهلیة ورقاها، فان القسم الذی یختص باسماء اللہ تعالیٰ وکلماتہ غیر داخل فی جملتہ بل هو مستحب مرجو البرکة عرف ذالک من اصل السنة ۲۔

یعنی حدیثوں میں جس رقیہ اور تمیمہ کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد زمانہ جاہلیت کے تمیمے اور رقیے ہیں، باقی جو رقیے و تمیمے اللہ کے کلام اور اس کے اسماء سے ہوں وہ اس میں داخل ہی نہیں، بلکہ وہ تو مستحب ہیں، ان سے برکت کی توقع ہے، یہ بات تو اصل سنت سے ثابت ہے۔

الغرض وہی رقیہ اور تمیمہ شرک ہے جو اقوال کفریہ پر مشتمل یا فاسد عقیدہ کے ساتھ ہو، ورنہ نفس رقیہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، نہ صرف ثابت بلکہ آپ کے یومیہ معمول میں شامل تھا، حضرت امام بخاریؒ نے تو ایک باب ہی منعقد کیا ہے ”باب رقیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ اور نیز صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق تمیمہ (تعویذ کا لٹکانا) بھی ثابت ہے، (جیسا کہ ماقبل میں گذرا) اور کسی صحابی کا عمل بدعت یا شرک نہیں ہو سکتا، اس لئے ہر رقیہ اور تمیمہ کو نہ شرک کہا جاسکتا ہے، نہ خلاف افضل اور نہ ہی توکل کے منافی، بلکہ اغراض و مقاصد اور طرق و وسائل کے لحاظ

سے اس میں وہ تفصیل ہوگی جو ماقبل میں مذکور ہوئی۔

اس لئے یہ اعتراض صحیح نہیں کہ رقیہ تو اسباب و ہمیہ میں سے ہے جس کا ترک افضل ہے اور جس کا اختیار کرنا توکل کے منافی ہے تو پھر صحابہ نے اس کو کیوں اختیار کیا۔

تنبیہ: رقیہ اور تمیمہ کے تعلق سے یہ تو اصل مسئلہ کی تحقیق تھی، باقی آج کل بہت سے عالمین نے جو طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ عملیات و تعویذات کے میدان میں نہ معلوم وہ کتنے محرمات اور خلاف شرع امور کے مرتکب ہوتے ہیں، کوئی صریح جھوٹ بولتا اور مکرو فریب کرتا ہے مثلاً یہ کہ تم پر آسیب اور جادو کا اثر ہے، کوئی غیب کی باتیں تک بتلاتا، اور لوگوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیتا ہے، اللہ کی طرف سے توجہ ہٹا کر ساری توجہ اسی طرف مرکوز کر دیتا ہے، بے پردگی بے حیائی کا بھی مرتکب ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ، ان میں بعض امور تو کفر و شرک تک پہنچ جاتے ہیں، مثلاً غیب کی باتیں بتلانے والا، حدیث پاک میں آیا ہے کہ عرّاف اور کاہن یعنی غیب کی باتیں بتانے والے شخص کے پاس جانے والے اور اس سے اس نوع کی باتیں پوچھنے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی، اور حدیث پاک میں ایسی اجرت کو حلوان کاہن قرار دے کر حرام کہا گیا ہے، اس کے علاوہ بعض امور قطعی طور پر ناجائز اور حرام ہوتے ہیں، عالمین حضرات پر واجب ہے کہ شرعی احکام معلوم کر کے تمام قسم کے منکرات و محرمات سے پرہیز کریں اور امت کو جائز رقیہ کے ساتھ ساتھ اللہ کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کریں۔

اس مسئلہ کی مزید تفصیل احقر نے اپنے رسالہ ”رقیہ اور تعویذ کتاب و سنت کی روشنی میں“ میں کی ہے، شائقین حضرات اس سے مستفید ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ جلد اس کی طباعت کا انتظام فرمادے۔ (محمد زید مظاہری ندوی، استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

اسباب و اعمال اور تدبیر و توکل کا شرعی درجہ

اور

دعوت و تبلیغ سے متعلق چند ضروری اصلاحات

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب و ترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين

باب

دعاء و اسباب اور تدبیر سے متعلق اسلام کی واضح تعلیمات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ دعا و اسباب کے تعلق سے پوری امت کو خطاب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

(اے لوگو! تم کو) جس چیز کی ضرورت ہو خواہ وہ دنیا کا کام ہو یا دین کا اور خواہ اس میں اپنی بھی کوشش کرنا پڑے، اور خواہ اپنی کوشش اور قابو سے باہر ہو سب خدا تعالیٰ سے مانگا کرے، لیکن اتنا خیال ضروری ہے کہ وہ گناہ کی بات نہ ہو، اس میں سب باتیں آگئیں، جیسے کوئی کھیتی یا سوداگری کرتا ہے تو محنت اور سامان بھی کرنا چاہئے مگر خدا تعالیٰ سے دعا بھی مانگنا چاہئے کہ اے اللہ اس میں برکت فرما اور نقصان سے بچا، یا کوئی دشمن ستاوے، خواہ دنیا کا دشمن خواہ دین کا دشمن، تو اس سے بچنے کی تدبیر بھی کرنا چاہئے خواہ وہ تدبیر اپنے قابو کی ہو، خواہ حاکم سے مدد لینا پڑے مگر اس تدبیر کے ساتھ خدا تعالیٰ سے بھی دعا مانگنا چاہئے کہ اے اللہ اس دشمن کو زیر کر دے۔

یا مثلاً کوئی بیمار ہو تو دوا دارو بھی کرنا چاہئے مگر خدا تعالیٰ سے دعا بھی مانگنا چاہئے کہ اے اللہ اس بیماری کو کھول دے، یا اپنے پاس کچھ مال ہے تو اس کی حفاظت کا سامان بھی کرنا چاہئے، جیسے مضبوط مکان میں مضبوط قفل (تالا) لگا کر رکھنا یا گھر والوں کے یا نوکروں کے ذریعہ سے اس کا پہرہ دینا، دیکھ بھال رکھنا، مگر اس کے ساتھ خدا تعالیٰ سے دعا بھی مانگنا چاہئے کہ اے اللہ اس کو چوروں سے محفوظ رکھ۔

یا مثلاً کوئی مقدمہ کر رکھا ہے یا اس پر کسی نے کر رکھا ہے تو اس کی پیروی بھی کرنا چاہئے، وکیل اور گواہوں کا انتظام بھی کرنا چاہئے، مگر اس کے ساتھ خدا تعالیٰ سے دعا بھی کرنا چاہئے کہ اے اللہ اس مقدمہ میں مجھ کو فتح دے اور ظالم کے شر سے مجھ کو بچا، یا قرآن اور علم دین حاصل کر رہا ہے تو اس میں جی لگا کر پابندی سے محنت بھی کرنا چاہئے، مگر اس کے ساتھ دعا بھی کرنا چاہئے کہ اے اللہ اس کو آسان کر دے اور میرے ذہن میں اس کو جمادے، یا نماز و روزہ وغیرہ شروع کیا ہے یا بزرگوں کے بتلانے سے اور عبادتوں میں لگ گیا ہو تو سستی اور نفس کے حیلہ بہانہ کا مقابلہ کر کے ہمت کے ساتھ اس کو نباہنا چاہئے مگر دعا بھی کرتا رہے کہ اے اللہ میری مدد کر اور مجھ کو اس کی ہمیشہ توفیق دے، اور اس کو قبول فرما۔

یہ نمونہ کے طور پر چند مثالیں لکھ دی ہیں، ہر کام اور ہر مصیبت میں اسی طرح جو اپنے کرنے کی تدبیر ہے وہ بھی کرے اور سب تدبیروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے خوب عاجزی اور توجہ کے ساتھ عرض بھی کرتا رہے۔

اور جس کام میں تدبیر کا کچھ دخل نہیں اس میں تو تمام کوشش دعا ہی میں خرچ کرنا ضروری ہے، جیسے بارش کا ہونا یا اولاد کا زندہ رہنا یا کسی بیماری کا علاج بیماری سے اچھا ہو جانا یا نفس و شیطان کا نہ بہکانا، یا وبا اور طاعون سے محفوظ رہنا یا قابو یافتہ ظالموں کے شر سے بچنا، اسی طرح حکومت کے مظالم سے بچنا۔

ان کاموں کا بنانے والا تو بجز خدا تعالیٰ کے کوئی برائے نام بھی نہیں اس لئے تدبیر کے کاموں میں جتنا حصہ تدبیر کا ہے ان بے تدبیر کے کاموں میں وہ حصہ تدبیر کا بھی دعاء ہی میں خرچ کرنا چاہئے غرض تدبیر کے کاموں میں تو کچھ تدبیر اور کچھ دعا ہے اور بے تدبیر کے کاموں میں تدبیر کی جگہ بھی دعاء ہی ہے۔

(ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لئے کی تاکہ بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو قرار ہو جائے اور نصرت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

(فائدہ) یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ باوجود اسباب کے غیر مؤثر ہونے اور مسببات کے منجانب اللہ ہونے کے پھر بھی اسباب میں حکمتیں ہیں!۔

دعاء کی برکت سے منجانب اللہ اسباب مہیا کر دیئے جاتے ہیں

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ؛ وَوَهَبْنَا لَهُ؛ يَحْيٰى وَاصْلَحْنَا لَهُ؛ زَوْجَهُ ط (الانبیاء آیت نمبر ۱۸)

(ترجمہ) سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ہم نے ان کو یحییٰ عطا فرمایا اور ان کی خاطر سے ان کی بی بی کو اولاد کے قابل کر دیا۔

(فائدہ) روح المعانی میں ایک تفسیر اصْلَحْنَا کی یہ نقل کی ہے کہ ان کی بی بی کی جوانی لوٹادی، اس بناء پر اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو چیزیں عادت اسباب کی طرف مستند ہیں ان میں استجاب دعا (یعنی دعا کی قبولیت) کے متعلق اکثر عادت الہیہ یہ ہے کہ اس کے اسباب مہیا فرمادیتے ہیں گو وہ اسباب کے بغیر بھی تکوین پر قادر ہیں۔ ۲۔

اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط (الانعام آیت نمبر ۹۷)

(ترجمہ) اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو پیدا کیا تاکہ تم ان کے ذریعہ سے خشکی اور دریا کے اندھیروں میں راستہ معلوم کر سکو۔

(فائدہ) اس میں اسباب کا اثبات ہے اور ان سے منفع ہونے (فائدہ اٹھانے) کی مشروعیت (اور اس کے جواز) پر دلالت ہے اور یہی علی الاطلاق توکل کے منافی نہیں۔ ۳۔

نا جائز اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے

وَنَادَى نُوحٌ ابْنَهُ، وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يُنَبِّئُ ارْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ۝ قَالَ سَاوِيَ إِلَىٰ جِبَلٍ يَّعِصْمُنِي مِنَ الْمَاءِ ط قَالَ لَا عَصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ ج (ہود آیت نمبر ۴۳)

(ترجمہ) اور نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ علیحدہ مقام پر تھا کہ اے میرے پیارے بیٹے میرے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت ہو، وہ کہنے لگا کہ میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لوں گا جو مجھ کو پانی سے بچالے گا، نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ آج اللہ کے قہر سے کوئی بچانے والا نہیں لیکن جس پر وہی رحم کرے۔

(فائدہ) اس میں دلیل ہے اس پر کہ اسباب ماذون فیہا کی مباشرت (یعنی جائز اسباب کا اختیار کرنا) توکل کے منافی نہیں جیسے کشتی نوح میں سورا ہونا۔ البتہ اسباب غیر ماذون فیہا کی مباشرت (یعنی ناجائز اسباب کا اختیار کرنا) منافی توکل ہے جیسے کنعان کا پہاڑ کی پناہ لینا۔

اسباب اختیار کرنے کے باوجود پورا اعتماد اور یقین حق

تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہئے

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقَهَا ط (ہود آیت نمبر ۷)

(ترجمہ) اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

(فائدہ) اس میں ترغیب عظیم ہے توکل فی الرزق کی، (یعنی اس بات کی کہ رزق کے سلسلہ میں اللہ پر توکل کیا جائے)

اور روح میں ہے کہ اگر اسباب کو اس اعتقاد کے ساتھ اختیار کرے کہ اللہ تعالیٰ مسدّب ہے اور یہ اعتقاد نہ ہو کہ بغیر اسباب کے رزق حاصل نہیں ہوتا تو یہ توکل کے منافی نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ وثوق اور ربط قلب حق تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہئے۔

جائز تدبیر اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں

یعقوب علیہ السلام کا عمل

قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ، مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِ مَوْثِقًا (یوسف آیت نمبر ۶۶)
 (یعقوب علیہ السلام نے) فرمایا کہ اس وقت تک ہرگز اس کو تمہارے ہمراہ نہ بھیجوں گا جب تک اللہ کی قسم کھا کر مجھ کو پکا قول نہ دو گے۔
 (فائدہ) اس میں دلالت ہے کہ تدبیر ماذون فیہ (یعنی جائز تدبیر اختیار کرنا) توکل کے منافی نہیں۔

مصیبتوں اور پریشانیوں کو دور کرنے کے لئے اسباب کے درجہ میں مخلوق سے مدد چاہنے میں کوئی حرج نہیں

حضرت یوسف علیہ السلام کا عمل

وَقَالَ الَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا إِذْ كُنِيَ عِنْدَ رَبِّكَ (یوسف آیت نمبر ۴۲)
 (ترجمہ) اور جس شخص پر رہائی کا گمان تھا اس سے یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے آقا کے سامنے میرا بھی تذکرہ کرنا۔

(فائدہ) اس میں دلالت ہے کہ اگر ازالہ شدائد (یعنی مصیبتوں کے دور

کرنے) کے لئے کسی مخلوق سے استعانت کرے (اور مدد چاہے) خصوصاً ایسے شخص سے جس پر احسان کیا ہو کچھ حرج نہیں، کیونکہ یہ اسباب مشروعہ میں سے ہے اور اس کو احسان کا عوض چاہنا نہ کہا جائے گا، احسان سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور محبت سے یہ استعانت گوارہ ہوتی ہے۔

کامل بندوں سے اسباب اختیار کرنے کا ثبوت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عمل

اتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَاهْتَشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِي فِيهَا مَارِبٌ أُخْرَىٰ ۝
(طہ آیت نمبر ۱۸)

(ترجمہ) میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کام ہیں۔

فائدہ: اس سے کاملین (اور انبیاء علیہم السلام) کا اسباب کے ساتھ تمسک کرنے (اور اس سے نفع اٹھانے) کا اثبات ہوتا ہے۔

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۝

(ترجمہ) میرے کنبہ میں سے ایک معاون مقرر کر دیجئے۔

فائدہ: اس سے وہی مسئلہ ثابت ہے جو اتَوَكَّأُ سے ثابت ہے۔ (یعنی اسباب

اختیار کرنے کا ثبوت اور اس کا جواز)

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ (طہ آیت نمبر ۲۵)

ترجمہ: اے میرے رب میرا حوصلہ فراخ کر دیجئے۔

فائدہ: اس میں دلالت ہے کہ دعا اور کمال توکل میں تنافی نہیں ہے۔

تدبیر اختیار کرنے میں اعتدال کی تعلیم

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

(۱) وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي ۖ إِنَّكُمْ مُتَّبِعُونَ ۝

(الشعراء آیت نمبر ۵۲)

(ترجمہ) اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم بھیجا کہ میرے بندوں کو شباشب (یعنی راتورات) نکال لے جاؤ تم لوگوں کا تعاقب کیا جائے گا۔

(۲) قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝

(الشعراء آیت نمبر ۶۲)

(ترجمہ) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہرگز نہیں کیونکہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے وہ مجھ کو بھی راستہ بتلائے گا۔

فائدہ: اس میں مسئلہ یہ ہے کہ تدبیر و ترک تدبیر میں تعدیل چاہئے چنانچہ تدبیر تو یہ بتلائی گئی کہ بنی اسرائیل کو لے کر شباشب (راتورات) چلے جاؤ۔

پھر جب انہوں نے پکڑے جانے کا اندیشہ ظاہر کیا جس سے مقصود یہ تھا کہ کچھ تدبیر کی جائے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ فرما کر یہ بتلایا کہ حق تعالیٰ کی تدبیر کے ہوتے ہوئے ہماری تدبیر کی ضرورت نہیں اور عارف کی یہی شان ہوتی ہے کہ اسباب سے توسط (یعنی اعتدال) کے ساتھ تمسک کرتا ہے مگر اس میں مبالغہ نہیں کرتا۔!

اسباب عادیہ کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں

حضرت داؤد علیہ السلام کا عمل

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ (الانبیاء آیت نمبر ۷۹)

اور ہم نے ان کو (یعنی داؤد علیہ السلام کو) زرہ کی صنعت تم لوگوں کے واسطے سکھائی۔

(فائدہ) اس سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں، ایک یہ کہ دستکاری سے معاش حاصل کرنا اور دوسرے یہ کہ اسباب عادیہ کا استعمال کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔

مخلوق اور اشیاء پر نظر کرنا اور ان کی طرف نسبت کرنا

توحید کے منافی نہیں

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ج

(انمل آیت نمبر ۶۰)

یا وہ ذات ہے جس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور اس نے آسمان سے پانی برسایا۔

(فائدہ) اس میں اس پر دلالت ہے کہ مخلوق میں نظر کرنا جب کہ وصول الی الحق کے لئے ہو، مطلوب ہے اور توحید کے منافی نہیں البتہ منافی (اور توکل کے خلاف) وہ نظر ہے جو مقصود ہو، اسی طرح اس کے بعد قریب کی آیت قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ اس پر دلالت ہے۔

۱۔ بیان القرآن، مسائل السلوک ص ۳۵۱ ۲۔ بیان القرآن، مسائل السلوک ص ۴۰۹

سببیت کی ایسی نسبت تو اسباب کی طرف ہے خود حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اَنْزَلَ
مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَآخَرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ اَسْمَانِ سَے پانی اتارا پھر اس
پانی سے تمہارے کھانے کے لئے پھل نکالے۔

سفر میں زادِ راہ لینا توکل کے منافی نہیں

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا

(الکہف آیت نمبر ۶۱)

(ترجمہ) پس جب دونوں دریاؤں کے جمع ہونے کے موقع پر پہنچے اس اپنی
مچھلی کو دونوں بھول گئے۔

فائدہ: یہ آیت دال ہے اس پر کہ زادِ راہ کا (یعنی سفر کا توشہ اور کھانے پینے کا نظم)
جو کہ اسباب میں سے ہے سفر میں ساتھ رکھنا توکل کے منافی نہیں۔ ۲۔

اسباب اختیار کرنا واجب ہے کیونکہ اس کے بغیر تقویٰ کا

حاصل ہونا مشکل ہے

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ (البقرہ آیت نمبر ۱۹۷)

(ترجمہ) اور خرچ ضرور لے لیا کرو کیونکہ سب سے بڑی بات خرچ
میں (گداگری سے) بچا رہنا ہے۔

فائدہ: اس میں ضعفاء کے لئے اسباب کی حکمت کا بیان ہے۔

وَأَتَّقُونَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ (البقرہ آیت نمبر ۱۹۷)

(ترجمہ) اور اے ذی عقل لوگو! مجھ سے ڈرتے رہو۔

فائدہ: یہ امر بالزاد (سفر خرچ اور توشہ) کے لئے مثل مقدمہ ثانیہ کے ہے اور تقریر مطلوب کی یہ ہے کہ زاد (سفر خرچ اور توشہ لینا) تقویٰ کا سبب ہے اور تقویٰ واجب ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ زاد سبب ہے واجب کا پس وہ بھی واجب ہے، اور یہ اس پر موقوف ہے کہ مقدمہ واجب کا واجب ہے۔

(یعنی جب اصول فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے لہذا واجب کی ادائیگی جن اسباب پر موقوف ہوگی ان اسباب کا اختیار کرنا بھی واجب ہوگا جیسے وضو کرنا واجب ہے اگر وضو کرنا ہینڈ پائپ چلانے ہی پر موقوف ہو تو ایسی صورت میں ادائے واجب کے لئے ہینڈ پائپ چلا کر پانی نکالنا بھی واجب ہوگا، اسی طرح جب تقویٰ حاصل کرنا واجب ہے اور وہ موقوف ہے زاد راہ کے یعنی توشہ لینے کا سبب اختیار کرنے پر تو یہ سبب اختیار کرنا بھی واجب ہوگا، خلاصہ یہ کہ اسباب کے درجہ میں سفر خرچ اور توشہ لینا واجب ہے، اسی طرح دوسرے اسباب کو بھی سمجھ لینا چاہئے واللہ اعلم) مرتب

اور یہ تصوف کے مسائل کثیرہ کی اصل ہے جن کی طرف اہل ظاہر کی نظر اس لئے نہیں گئی کہ ان کی نظیر دقیق نہیں ہے۔

سیاسی تدابیر اختیار کرنا بھی کمال باطنی اور توکل کے منافی نہیں

امت محمدیہ کو اسباب اختیار کرنے کا صریح حکم

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهَبُونَ بِهِ

(الانفال آیت نمبر ۶۰ تا ۶۵)

عَدُّوا لِلَّهِ.

۱۔ بیان القرآن مسائل السلوک ص ۷۸

(ترجمہ) اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس کے ذریعہ سے تم رعب جمائے رکھوان پر جو کہ اللہ کے دشمن ہیں۔

فائدہ: اس میں دلالت ہے کہ سیاسی تدابیر کمال باطنی (اور کمال توحید و توکل) کے منافی نہیں جیسا بعض غلو کرنے والے اہل رہبانیت خیال کرتے ہیں۔
فائدہ: اس میں قوت کی حفاظت کا صاف حکم ہے۔

مسلم میں عقبہ بن عامر کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفسیر تیر اندازی کے ساتھ منقول ہے اور اس کو قوت اس لئے فرمایا کہ اس سے دین اور دل میں بھی مضبوطی ہوتی ہے اور اس میں دوڑنا بھاگنا جو پڑتا ہے تو بدن میں بھی مضبوطی ہوتی ہے اور یہ اس زمانہ کا ہتھیار تھا اس زمانہ میں جو ہتھیار ہیں وہ تیر کے حکم میں ہیں۔ ۲

خطرات کے موقع پر حفاظت کا سامان رکھنے کی ضرورت

عمر بن شعیبؓ اپنے باپ سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سوار ایک شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار قافلہ ہے۔ ۳

فائدہ: یہ اس وقت تھا جب کہ اگے دگے کو دشمن کا خطرہ تھا، اس سے ثابت ہوا کہ اپنی حفاظت کا سامان ضروری ہے۔

ابوالسائب حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک اجازت لینے والے سے) فرمایا کہ اپنا ہتھیار ساتھ لے لو مجھ کو بنی قریظہ سے (جو کہ یہودی اور دشمن تھے) اندیشہ ہے چنانچہ اس شخص نے ہتھیار لے لیا اور گھر کو چلا گیا۔ ۴

۱۔ مسائل السلوک ص ۲۲۱ ۲۔ حیوۃ المسلمین روح دہم ص ۹۰ ۳۔ مالک و ترمذی و ابوداؤد و نسائی ۴۔ مسلم شریف

فائدہ: جس موقع پر دشمنوں سے ایسا اندیشہ ہو اپنی حفاظت کے لئے جائز ہتھیار اپنے ساتھ رکھنے کا اس سے ثبوت ہوتا ہے۔

ابو ثعلبہ حشنیؓ سے روایت ہے کہ لوگ جب کسی منزل میں اترے تو گھاٹیوں میں اور نشیب میدانوں میں متفرق ہو جاتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارا گھاٹیوں اور نشیب میدانوں میں متفرق ہو جانا یہ شیطان کی طرف سے ہے (اس لے کہ اگر کسی پر آفت آوے تو دوسروں کو خبر بھی نہ ہو) سو اس کے بعد جس منزل پر اترتے ایک دوسرے سے اس طرح مل جاتے کہ یہ بات کہی جاتی تھی کہ اگر ان سب پر ایک کپڑا بچھا دیا جائے تو سب پر آجائے۔ (ابوداؤد)

فائدہ: اس سے بھی اپنی احتیاط اور حفاظت کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔

اسبابِ فتنہ سے بچنا مطلوب ہے

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاعْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ط (الممتحنہ آیت نمبر ۵)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہم کو کافروں کا تختہ مشق نہ بنا اور اے ہمارے رب! ہمارے گناہ معاف کر دیجئے۔

یہ عنوان اس پر دال ہے کہ ایسے اسبابِ فتنہ سے بچنا مطلوب ہے جس سے اہل حق پر اہل باطل ہونے کا شبہ ہو یا بالعکس۔

اور ان اسباب میں جو غیر اختیاری ہیں ان سے بچنا یہ ہے کہ دعا کریں ۲

اسباب بعیدہ جو موجب فتن ہوں

ان سے بچنا بھی ضروری ہے

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ

قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝

(الاحزاب آیت نمبر ۳۲)

(ترجمہ) (اے نبی کی بیویو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو) تو تم بولنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو خیال ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ کے موافق بات کہو۔

فائدہ: اس میں اسباب فتنہ سے بچنے کا ارشاد ہے اگرچہ اسباب بعیدہ ہی ہوں

خصوصاً عورتوں سے کہ ان کا قصہ بڑا سخت ہے۔

فصل

اسباب صحت و مرض احادیث مبارکہ کی روشنی میں

متعدی امراض اور تکلیف دہ اسباب سے پرہیز کرنا شرعاً مطلوب ہے

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

---- بلا ضرورت خطرہ ہلاکت میں کیوں پڑے گو وہ یقینی نہ ہو مگر ہلاکت

کے اسباب مثل تناول سم (زہر اور مہلک چیز کا کھانا اور استعمال کرنا) وغیرہ کا ارتکاب بھی تو قصداً بلا ضرورت نقلاً و عقلاً ممنوع ہے گو اس سے کبھی بچ بھی جاتا ہے۔

جن بیماریوں سے لوگوں کو نفرت ہوتی ہے جو شخص ان امراض مبتلا ہو اس کے لئے بہتر ہے کہ لوگوں سے علیحدہ رہے تاکہ ان کو تکلیف و ایذا نہ پہنچے۔

کان فی وفد بنی ثقیف رجل مجذوم فارس لالیہ النبی صلی اللہ

علیہ وسلم انا قد بایعناک فارجمع۔ ۲

فائدہ: قبیلہ بنی ثقیف کا ایک شخص جو جذام کے مرض (کوڑھ) میں مبتلا تھا وہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی غرض سے آنا چاہتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا معمول مردوں کو ہاتھ لے کر بیعت کرنے کا تھا، اس شخص کے آنے سے لوگوں کی

تکلیف و ناگواری اور مرض کے متعدی ہونے کا اندیشہ تھا لہذا آپ نے اس جذامی شخص

کو یہ پیغام کہلا بھیجا کہ تم یہاں مت آؤ واپس جاؤ، ہم نے تم کو زبانی یعنی اپنے قول سے

بیعت کر لیا)

اسباب کے درجہ میں امراض بھی متعدی ہوتے ہیں

”حدیث لا عدویٰ میں“ مطلق عدویٰ کی (یعنی امراض کے متعدی ہونے کی) نفی مقصود نہیں بلکہ اس عدویٰ کی نفی مقصود ہے جس کے قائل اہل جاہلیت تھے، اور جس کے معتقدین سائنس اب بھی قائل ہیں یعنی بعض امراض میں خاصیت طبعی لازمی ہے کہ ضرور متعدی ہوتے ہیں، تخلف کبھی ہوتا ہی نہیں (یعنی وہ تاثیر ذاتی کے قائل ہوتے ہیں کہ اللہ کے مشیت کے بغیر بھی امراض متعدی ہو سکتے ہیں) سو حدیث پاک میں اس کی نفی فرمائی گئی ہے۔۔۔۔ اور اگر مثل دوسرے اسباب محتملہ کے اس کو مؤثر مان لیا جائے۔۔۔ اس طرح عدویٰ کے قائل ہونے میں (یعنی اسباب کے درجہ میں امراض کے متعدی ہو جانے کے قائل ہونے میں) کچھ حرج نہیں، اقرب الی التحقيق مجھ کو یہی مسلک معلوم ہوتا ہے۔! ☆

صحت و تندرستی کی اہمیت و مطلوبیت

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نعمتوں کے شمار میں ارشاد فرمایا:
(وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ) جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔ ۳
فائدہ: اس سے صحت کا مطلوب ہونا صاف معلوم ہوتا ہے۔
عبداللہ بن عمر بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

۱ امداد الفتاویٰ ص ۲۸ ج ۲

☆ ونفی العدویٰ لا بمعنی نفی اصلها لکن العرب یظنونها سبباً مستقلاً وینسون التوکل رأساً... والأحادیث متظاہرة علی ثبوت اصل العدویٰ فلا تشکن أن النہی لیس معتمداً علی عدمها فی الخارج۔ حجة اللہ البالغہ ص ۱۹۵ ج ۲ مختصراً
۳ شعراء پ ۱۹ آیت ۸۰

(شب بیداری اور نفل روزہ میں زیادتی کی ممانعت میں) فرمایا کہ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ زیادہ محنت کرنے سے اور زیادہ جاگنے سے صحت خراب ہو جائے گی اور آنکھیں آشوب کر آئیں گی۔

حضرت فضالہ بن عبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو زیادہ آرام طلبی سے منع فرماتے تھے اور ہم کو حکم دیتے تھے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کریں۔ (ابوداؤد)

ابن ابی حدردؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تنگی سے گذر کرو اور موٹا چلن رکھو (یعنی سادگی سے گذر بسر کرو) اور ننگے پاؤں (بھی کبھی کبھی) چلا کرو۔ (جمع الفوائد از کبیر و اوسط)

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ پیدل چلنے کی بھی اور ننگے پاؤں چلنے کی بھی عادت رکھے، زیادہ آرام طلب نہ ہو، اس میں کئی مصلحتیں ہیں، مضبوطی و جفاکشی و آزادی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوت والا مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم قوت والے مومن سے بہتر اور زیادہ پیارا ہے، اور یوں سب میں خوبی ہے۔ الخ (مسلم)

فائدہ: جب قوت اللہ کے نزدیک ایسی پیاری چیز ہے تو اس کو باقی رکھنا اور بڑھانا اور جو چیزیں قوت کم کرنے والی ہیں ان سے احتیاط رکھنا یہ سب مطلوب ہوگا، اس میں غذا کا بہت کم کر دینا، نیند کا بہت کم کر دینا، ہم بستری میں حد قوت سے آگے زیادتی کرنا، ایسی چیز کھانا جس سے بیماری ہو جائے یا بد پرہیزی کرنا جس سے بیماری بڑھ جائے یا جلدی نہ جائے یہ سب داخل ہو گیا ان سے بچنا چاہئے۔

اسی طرح قوت بڑھانے میں ورزش کرنا، دوڑنا، پیادہ چلنے کی عادت کرنا، جن اسلحہ کی قانون سے اجازت ہے یا اجازت حاصل ہو سکتی ہے ان کی مشق کرنا یہ سب داخل ہے مگر حد شرع و حد قانون سے باہر نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس سے جمعیت و راحت جو کہ شرعاً مطلوب ہے برباد ہوتی ہے۔

عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ تیر اندازی بھی کیا کرو اور سواری بھی کیا کرو۔ (ترمذی وابن ماجہ و ابوداؤد و دارمی) فائدہ: سواری سیکھنا بھی ایک ورزش ہے جس سے قوت بڑھتی ہے۔

علاج کی اہمیت اور بد پرہیزی کی ممانعت

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں چیزیں اتاریں اور ہر بیماری کے لئے دوا بھی بنائی، سو تم دوا کیا کرو اور حرام چیز سے دوا مت کرو۔ (ابوداؤد) فائدہ: اس میں صاف حکم ہے تحصیل صحت کا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معدہ بدن کا حوض ہے اور رگیں اس کے پاس (غذا حاصل کرنے) آتی ہیں، سو اگر معدہ درست ہو تو وہ رگیں صحت لے کر جاتی ہیں اور اگر معدہ خراب ہو تو رگیں بیماری لے کر جاتی ہیں۔ (شعب الایمان و بیہقی)

فائدہ: اس میں معدہ کی خاص رعایت کا ارشاد ہے۔

ام منذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک موقع پر) حضرت علیؓ سے فرمایا یہ (کچھور) مت کھاؤ، تم کو نفاہت ہے پھر میں نے چقندر اور جو تیار کیا آپ نے فرمایا اے علی اس میں سے لو یہ تمہارے موافق ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے بد پرہیزی کی ممانعت معلوم ہوئی کہ مضر صحت ہے۔
 حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے
 تھے اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں بھوک سے وہ بھوک براہم خواب ہے۔
 فائدہ: مرقاۃ میں طبیبی سے پناہ مانگنے کا سبب نقل کیا ہے کہ اس سے قوی ضعیف
 ہو جاتے ہیں اور دماغ پریشان ہو جاتا ہے۔

اس سے صحت و قوت و جمعیت کا مطلوب ہونا ثابت ہوا، کیونکہ زیادہ بھوک سے
 یہ سب فوت ہو جاتے ہیں اور بھوک کی جو فضیلت آئی ہے وہ ایسی ہے جیسے بیماری کی
 فضیلت آئی ہے، اس سے بھوک اور بیماری کا مطلوب التحصیل ہونا لازم نہیں آتا۔ (یعنی
 اگر غیر اختیاری طور پر یہ چیز حاصل ہو جائے تو اس کی فضیلت ہے) ۲
 فائدہ: دوا دارو کرنے کی اجازت بلکہ ترغیب دی گئی ہے۔

حتی الامکان معدہ کی اصلاح و حفاظت کا اہتمام کرو، تمام بدن درست رہتا ہے
 ، اور اگر معدے میں بگاڑ ہو تو تمام بدن میں بیماری ہو جاتی ہے۔ ۳

فصل

تدبیر اور ترک تدبیر احادیث مبارکہ کی روشنی میں

ترک تدبیر تقویٰ و توکل نہیں بلکہ کم ہمتی اور بزدلی ہے

(توکل کا) یہ مطلب نہیں کہ تقدیر کا بہانہ کر کے شریعت کے موافق ضروری تدبیر کو بھی چھوڑ دے بلکہ یہ شخص تو کمزور تدبیر کو بھی نہ چھوڑے گا اور اس میں بھی امید رکھے گا کہ خدا تعالیٰ اس میں بھی اثر دے سکتا ہے، اس لئے کبھی ہمت نہ ہارے گا، جیسے بعض لوگوں کو یہ غلطی ہو جاتی ہے، اودین تو بڑی چیز ہے دنیا کے ضروری کاموں میں بھی ایسی کم ہمتی کی برائی (نڈمت) حدیث میں آئی ہے۔

چنانچہ عوف بن مالک نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقدمہ کا فیصلہ فرمایا، تو ہارنے والا کہنے لگا حسبی اللہ ونعم الوکیل (مطلب یہ کہ خدا کی مرضی میری قسمت) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو ناپسند فرماتا ہے لیکن ہوشیاری سے کام لو (یعنی کوشش و تدبیر میں کم ہمتی مت کرو) پھر جب کوئی کام تمہارے قابو سے باہر ہو جائے تب کہو حسبی اللہ ونعم الوکیل (یعنی خدا کی مرضی میری قسمت) (ابوداؤد) ۱

توکل کے ساتھ تدبیر اختیار کرنے کا حکم

وَسَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

الْمُتَوَكِّلِينَ۔ (آل عمران پ ۴)

۱ حیات المسلمین روح پنجم ص ۳۹

ترجمہ: اور ان سے مشورہ لیجئے (پھر مشورہ لینے کے بعد) جب آپ (ایک جانب) رائے پختہ کر لیں سو خدا تعالیٰ پر اعتماد (کر کے اس کام کو کر ڈالا) کیجئے، اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے (جو خدا تعالیٰ پر اعتماد رکھیں) محبت فرماتے ہیں۔

فائدہ: اس سے بڑھ کر کیا دولت ہوگی کہ خدا پر بھروسہ رکھنے والوں سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہے جس شخص سے خدا تعالیٰ کو محبت ہو اس کی فلاح میں کس کوشش ہو سکتا ہے۔ اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ توکل کے ساتھ تدبیر کا بھی حکم ہے، کیونکہ مشورہ تو تدبیر ہی کے لئے ہوتا ہے، البتہ تدبیر پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے بلکہ تدبیر کر کے بھی بھروسہ خدا ہی پر ہونا چاہئے۔

تدبیر اختیار کرو مگر بھروسہ اللہ ہی پر رکھو

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو فرمایا کہ اونٹ کو باندھ کر توکل کر۔

فائدہ: یعنی توکل میں تدبیر کی مانع نہیں ہاتھ سے تدبیر کرے، دل سے اللہ پر توکل کرے اور اس تدبیر پر بھروسہ نہ کرے۔ (یہ ہے حقیقی توکل) ۲

اللہ پر بھروسہ کرنے کا اثر اور اس کا فائدہ

توکل کا اثر یہ ہے کہ اگر کوئی ناگواری بھی پیش آوے تو اس سے بھی پریشانی نہیں ہوتی بلکہ اس کو بھی بہتری ہی سمجھتے ہیں، اگر دنیا میں بھی اس کا ظہور نہ ہو تو آخرت میں ضرور ہوگا جو ہمارا اصلی گھر ہے اور وہی بھلائی ہمیشہ کام آنے والی ہے۔ ۳

۱۔ حیات المسلمین روح پنجم ص ۳۹ ۲۔ حیات المسلمین روح پنجم ص ۶۶

۳۔ حیات المسلمین روح پنجم ص ۴۴

رسول اللہ ﷺ نے امت کو اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے (ایک لانی حدیث میں) روایت ہے کہ ایک شخص انصار میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مانگنے آیا آپ نے (اس کے گھر سے ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ پانی پینے کا منگا کر اور اس کو نیلام کر کے اس کی قیمت میں سے کچھ اناج اور کلہاڑی خرید کر اس کو دے کر) فرمایا کہ جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کر بیچو، پھر فرمایا کہ یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ مانگنے کا کام قیامت کے دن تمہارے چہرہ پر (ذلت کا) ایک داغ ہو کر ظاہر ہو (ابوداؤد، ابن ماجہ)

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ حلال پیشہ کیسا ہی گھٹیا ہو، اگرچہ گھاس ہی کھودنا ہو مانگنے سے اچھا ہے۔

دعاء کے ساتھ حتی الامکان اسباب سے قرب و تعلق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے

فرمایا کہ نہ دعا کے بھروسے اسباب کو چھوڑے اور نہ اسباب میں ایسا انہماک ہو کہ مسبب الاسباب (یعنی اللہ تعالیٰ) پر نظر نہ رہے، اعتدال اصل طریقہ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اور یہ بدون تحصیلات بتحر علوم دین کے (یعنی علوم دینیہ میں مہارت کے بغیر) حاصل ہونا مشکل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال سے تو یہاں تک اس اعتدال کا پتہ چلتا ہے کہ معجزات میں بھی جو کہ بالکل خرق عادت ظہور میں آتے ہیں (یعنی بظاہر کائناتی نظام کے خلاف ہوتے ہیں) ان میں بھی تدبیر اور اسباب کی صورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے،

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت کا قصہ جو جنگ احزاب میں خندق کھودنے کے وقت ظہور میں آیا اس کا شاہد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا تھا کہ ہانڈی چولھے پر سے مت اتارنا پھر اس میں آ کر آب دہن (لعاب مبارک) ملا دیا اور وہ چند آدمی کی خوراک لشکر کے لشکر کو کافی ہوگئی۔ (پورا قصہ مسلم شریف ص ۸۷ ج ۲ میں مذکور ہے)۔

رسول اللہ ﷺ سال بھر کے خرچ انتظام فرمایا کرتے تھے اور امت کو بھی آپ نے مال روکنے کا مشورہ دیا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہود بنی نصیر کے اموال (مراد وہ زمینیں ہیں جو بذریعہ فتح مسلمانوں کے قبضہ میں آئی تھیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خرچ کے لئے مخصوص تھے آپ اس میں سے اپنی بیبیوں کا خرچ ایک سال کا دے دیتے تھے اور جو بچتا اس کو ہتھیار اور گھوڑوں یعنی جہاد کے سامان میں لگا دیتے۔ (بخاری)

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری توبہ یہ ہے کہ میں ہمیشہ سچ بولوں گا اور اپنے کل مال کو اللہ و رسول کے نذر کر کے اس سے دست بردار ہو جاؤں گا، آپ نے فرمایا کچھ مال تھام لینا چاہئے یہ تمہارے لئے بہتر اور مصلحت ہے (اور وہ مصلحت یہی ہے کہ گذر کا سامان اپنے پاس ہونے سے پریشانی نہیں ہونے پاتی) میں نے عرض کیا تو میں اپنا وہ حصہ تھامے (اور روکے) لیتا ہوں جو خیبر میں مجھ کو ملا ہے۔ (ترمذی شریف)

فائدہ: پہلی حدیث سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بقدر ضرورت ذخیرہ رکھنا اور دوسری حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے لئے مشورہ دینا ثابت ہوتا ہے۔ ۲

فصل

توحید و توکل کی حقیقت اور اس کے آثار و حدود

توحید کی ماہیت (اور حقیقت یہ ہے کہ) یہ یقین کر لینا کہ ارادہ خداوندی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى 'وَمَا تَشَاءُ وَاِنَّا لَنَشَاءُ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ.

(سورہ تکویر پ ۳۰)

(ترجمہ) نہیں چاہتے ہو تم کسی چیز کو مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى 'وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ' (آل عمران پ ۴)

(ترجمہ) اور اللہ ہی پر چاہئے کہ توکل کریں ایمان والے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم واعلم ان الامة لو اجتمعت على ان ينفعوك بشىء لم ينفعوك الا بشىء قد كتب الله لك ، ولو اجتمعوا على ان يضروك بشىء لم يضروك الا بشىء قد كتب الله عليك ، رواه احمد و الترمذى .

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جان لو کہ اگر سب کے سب متفق ہو جائیں اس پر کہ تم کو کچھ نفع پہونچائیں گے تو ہرگز نفع نہ پہونچائیں گے مگر اسی چیز کا جس کو اللہ نے لکھ دیا ہے اور اگر سب کے سب متفق ہو جائیں کہ تم کو نقصان پہونچائیں گے ہرگز نقصان نہ پہونچائیں گے مگر اسی چیز کا جس کو اللہ نے لکھ دیا ہے۔

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سألت فاسأل الله واذا

استعنت فاستعن بالله رواه احمد و الترمذى .

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مانگو تو اللہ ہی سے مانگو اور جب مدد چاہو اللہ ہی سے مدد چاہو۔

فائدہ: توحید سے یہاں توحید افعالی مراد ہے۔

توحید کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مخلوق کے عجز (یعنی اس کی عاجزی اور بے کسی) اور خالق کی قدرت کو یاد کرے اور (بار بار) سوچا کرے۔ اور توکل کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ: حق تعالیٰ کی عنایتوں اور وعدوں اور اپنی گذشتہ کامیابیوں کا یاد کرنا اور سوچنا۔

توکل کے لئے ترک تدبیر ضروری نہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں عرض کیا کہ میں اپنی اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا رکھوں اور توکل کروں؟ آپ نے فرمایا کہ باندھ کر توکل کرو (روایت کیا اس کو ترمذی نے ۲۔ فائدہ: مطلق توکل کے لئے ترک تدبیر ضروری نہیں، حدیث اس میں صریح ہے، بلکہ بعض تدبیر کا تو سب کو ترک ناجائز ہے، اور بعض کا ضعیف کے لئے ناجائز ہے، حدیث کی دونوں طرح توجیہ ہو سکتی ہے۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔ ۳۔

دعاء کے ساتھ تدبیر اور ظاہری اسباب اختیار کرنا ضروری ہے

شریعت کا یہ مقصد نہیں کہ تمام تدبیریں چھوڑ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ، اس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ تدبیر بھی کی جائے اور دعاء بھی، یہ نہ ہو کہ بلا تدبیر کے صرف دعاء ہی پر بھروسہ کیا جائے، دعاء کا حکم تو اس لئے ہے کہ تدبیر میں بغیر دعاء کے

۱۔ تعلیم الدین ص ۱۱۶ ۲۔ حدیث نمبر ۲۵۱۷، ابواب صفۃ القیامۃ، باب، حدیث اعتقاداً و توکل، تیسیر الوصول الی جامع الاصول مطبوعہ مکتبہ ص ۴۹۵ ۳۔ التلخیص ص ۴۰۴

برکت نہیں ہوتی یہ مقصود نہیں کہ صرف دعاء پر اکتفاء کیا جائے۔

دعاء کے متعلق لوگوں کو غلطی ہو رہی ہے بعض لوگوں نے تو دعاء کو اختیار کر کے تدبیر کو چھوڑ دیا ہے اور بعض لوگ محض تدبیر کے پیچھے پڑ گئے اور دعاء کو بھول گئے۔

اور اگر دعاء کا یہی مطلب ہے جو تم سمجھتے ہو (کہ تدبیر بھی نہ کرو) تو پھر نکاح بھی نہ کرو اور کہہ دو کہ ہم کو پیر صاحب کی دعاء پر اعتماد ہے، اولاد کی تو ہمیں بڑی تمنا ہے مگر نکاح نہیں کریں گے، بس یوں ہی کسی طرح دعاء سے اولاد ہو جائے۔

دعاء کا مطلب تو یہ ہے کہ (ظاہری اسباب اور) جتنی تدبیریں (تم سے) ہو سکیں سب کرو، اور بھروسہ دعاء پر (یعنی اللہ ہی پر) کرو۔

البتہ جن کی کوئی تدبیر نہیں جیسے بارش وغیرہ ان کے لئے صرف دعاء کرنا جائز ہے اور جن کاموں میں تدبیر ہو سکتی ہے اس میں تدبیر اور دعاء دونوں ضروری ہے۔

یقین کی برکت سے اللہ تعالیٰ بسا اوقات بلا تدبیر بھی

دعاء قبول فرمالتے ہیں

دعاء کے قبول ہونے پر بھروسہ اور یقین ہو تو ضرور اثر ہوتا ہے (خواہ وہ کافر ہی کی دعاء کیوں نہ ہو اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حدیث پاک میں آیا ہے) انا عند ظن عبدی بی، یعنی انسان خدا تعالیٰ کے ساتھ جیسا گمان اور یقین کر لیتا ہے حق تعالیٰ اسی طرح پورا فرمادیتے ہیں، بت پرستوں تک کی دعاء قبول ہوتی ہے کیوں کہ ان کو بھی خدا تعالیٰ سے یہی گمان ہوتا ہے (کہ وہ ہماری دعاء قبول کرے گا) کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا انکار نہیں کرتے، ایک بت پرست نے کہا تھا کہ عبادت تو ہم خدا کی کرتے ہیں، مگر خیال متوجہ

۱۔ ضرورت تبلیغ ماحقہ دعوت و تبلیغ ص ۳۲۷ تسہیل المواعظ ص ۵۳۴ ج ۱

کرنے کے لئے بتوں کو سامنے رکھتے ہیں، ممکن ہے کہ ان کا اصل مذہب یہی ہو، مگر اب ان کے ہندو مذہب لوگوں کا ایسا خیال نہیں، اب تو بتوں کو معبود ہی سمجھتے ہیں۔ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی دعاء اور عاجزی پر رحم فرما کر اپنی عنایت سے بلا تدبیر کے بھی کام کرتے ہیں اور بغیر اس کے کہ پورے طور پر سامان جمع کریں (یعنی ظاہری اسباب اختیار کئے بغیر بھی) ان کا کام ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں یہ قصہ موجود ہے کہ ایک نیک بیوی نے تنور میں ایندھن جھونک کر اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ اے اللہ ہم کو رزق دیجئے، تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھا کہ تنور روٹیوں سے بھرا ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو خدا کی رزاقی پر پورا یقین تھا اور یہ حضرات تو خدا تعالیٰ کے خاص بندے تھے، ان کو خدا کی رحمت پر پورا یقین ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں، شیطان کے یقین کو دیکھئے کہ خاص غصہ کے موقع پر بھی اس کو پورا بھروسہ تھا کہ خدا تعالیٰ غصہ کے اندر بھی میری دعاء رد نہ کریں گے، چنانچہ اس نے دعاء کی کہ مجھ کو قیامت تک زندہ رکھا جائے حالانکہ یہ ایک ایسی بات تھی جو خود نبیوں کو بھی نہیں دی گئی مگر شیطان نے رحمت کے بھروسہ پر اس کی دعاء کر دی اور قبول بھی کر لی گئی، دعاء کے قبول ہونے پر بھروسہ اور یقین ہو تو ضرور اثر ہوتا ہے۔^۱

دعاء و توکل کے نتیجے میں کرامت کا صدور

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنے گھر والوں کے پاس آیا جب ان کی حالت محتاجی (سخت تنگی) کی دیکھی تو جنگل کی طرف چلا گیا (یا تو فکر معاش میں یا اس خوف سے کہ گھر والے پریشان نہ کریں) جب اس شخص کی بیوی نے یہ دیکھا تو چکی کی طرف چلی اور اس کا اوپر کا پتھر نیچے کے پتھر پر رکھ دیا اور تنور کی طرف

۱۔ حسن العزیز ص ۱۴۴ ج ۳ ۲۔ تسہیل الموعظ ص ۵۳۵ ج ۱ مہمات الدعاء ۲

چلی اور اس کو ایندھن سے جھونک دیا پھر دعاء کی کہ اے اللہ! ہم کو رزق دے، دیکھتی کیا ہے کہ چکی کا حلقہ بھی (آٹے سے) پڑ ہے اور تنور کو بھی (روٹیوں سے) پڑ پایا، پھر خاوند جو واپس گھر آیا کہنے لگا کہ میرے بعد کچھ تم کو ملا ہے؟ عورت بولی ہاں ہمارے پروردگار کی طرف سے ملا ہے اور مرد چکی کے پاس گیا (اور پتھر اٹھا دیا) اس کا تذکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا آپ نے فرمایا کہ اگر وہ شخص اس پتھر کو نہ اٹھاتا تو وہ چکی قیامت تک چلتی رہتی (اور آٹا نکلتا رہتا) (روایت کیا اس کو احمد نے۔)۱

فائدہ: کسب متعارف (کسب معاش کے معروف طریقوں) کے علاوہ خرق عادت کے طور پر (جو مال حاصل ہو) جیسا کہ (مذکورہ) حدیث میں ہے، واقع میں نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت ہے۔۲

(فائدہ: کرامت بندہ کے اختیار میں نہیں کہ جب چاہے اس کا صدور ہو جائے، جس طریقے سے معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا کہ جب چاہے ظاہر ہو جائے، بعض معجزات کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمنا کی لیکن آپ کی خواہش کے مطابق معجزہ ظاہر نہیں ہوا، اسی طرح کرامت بھی کسی اللہ کے بندے اور ولی کے اختیار میں نہیں کہ جب چاہے صادر ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو احکام پر عمل کرنے اور اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کے طریقے، حدود و قیود متعین فرمادیئے ہیں کہ یہ جائز ہے یہ ناجائز ہے، بندے اسی کے مکلف ہیں۔ کرامت غیر اختیاری ہے، اور غیر اختیاری امر کے بندے مکلف نہیں، اس لئے اس کے بھروسہ اسباب کو ترک کرنا جائز نہیں) مرتب

توکل کے حدود

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دیا جایا کرتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی وَاللَّهُ يَعَصْمُكَ مِنْ

۱ مشکوٰۃ باب التوکل والصرص ۲۵۴، ج ۲ الکشف عن مہمات التصوف ص ۲۱۶ ۲ الکشف ص ۳۹۸

النَّاسِ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں (کے شر) سے بچالیں گے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک خیمہ سے نکال کر فرمایا کہ اے لوگو! مجھ کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔
فائدہ: توکل کی یہ قسم قوی القلب کے لئے جائز بلکہ مستحب ہے اور اکثر اہل طریق کا یہی شعار رہا ہے یہ حدیث صراحتاً اس پر دال ہے۔

تنبیہ: اور اسباب یقینیہ ضروریہ کا ترک ناجائز اور خارج از توکل ہے البتہ اگر خرق عادت کے طور پر واقع ہو وہ مستثنیٰ ہے۔^۱

اپنے بعد بیوی بچوں کی فکر توکل کے منافی نہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو تمہارے معاملہ (گذران) میں (ایک گونہ) فکر ہے کہ میرے بعد کیا ہوگا اور تم کو (تمہاری خدمت گذاری کو) وہی نباہیں گے جو بڑے ہمت والے اور پکے ہیں پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابی سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تمہارے باپ کو بہشت کے چشمہ سلسبیل سے سیراب کرے (کہ انہوں نے ہماری بڑی خدمت کی) اور عبد الرحمن بن عوف نے امہات المؤمنین کو ایک زمین دی تھی جو چالیس ہزار میں بکی اور ابو سلمہ کہتے ہیں کہ عبد الرحمن بن عوف نے امہات المؤمنین کے لئے ایک باغ کی وصیت کی تھی جو چار لاکھ کا بکا۔^۲

فائدہ: بعض ناواقف جس بزرگ کو اہل و عیال کی فکر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کامل نہیں ہیں، اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فکر خود مسنون ہے البتہ اس میں غلو بیشک منافی کمال بلکہ خود منافی طریق ہے۔^۳

۱ روایت کیا اس کو ترمذی نے حدیث: ۳۰۴۶، ابواب تفسیر القرآن من سورة المائدہ
۲ الکشف ص ۲۸۰ ۳ روایت کیا اس کو ترمذی نے حدیث: ۳۰۴۹ ابواب المناقب، باب حکایت وصیہ عبد الرحمن
(تیسیر الوصول الی جامع الاصول مطبوعہ کلکتہ ص ۳۵۴) ۴ الکشف ص ۳۶۳

فصل

اسباب و توکل اور تدبیر سے متعلق فیصلہ کن جامع مضمون

اسباب و توکل کی قسمیں اور ان کے شرعی احکام

توکل کی دو قسمیں ہیں، علماً و عملاً۔

علماً تو یہ کہ ہر امر میں متصرف حقیقی ومدبر حقیقی حق جل و علا شانہ کو سمجھے، اور اپنے کو ہر امر میں ان کا محتاج اعتقاد کرے، یہ توکل تو ہر امر میں عموماً فرض اور اسلامی عقیدہ کا جزء ہے۔
قسم دوم: توکل عملاً اس کی حقیقت ترک اسباب ہے، پھر اسباب کی دو قسمیں ہیں۔

اسباب کی دو قسمیں، اسباب دینیہ و دنیویہ

اسباب دینیہ اور اسباب دنیویہ، اسباب دینیہ جن کے اختیار کرنے سے کوئی دینی نفع حاصل ہو ان کا ترک کرنا محمود نہیں بلکہ کہیں گناہ اور کہیں خسران و حرمان ہے (یعنی نقصان و محرومی) اور شرعاً یہ توکل نہیں، اگر لفظ توکل کہا جائے تو یہ توکل مذموم (ممنوع اور برا) ہے۔

دنیوی اسباب کی قسمیں

اور اسباب دنیویہ جن سے دنیا کا نفع حاصل ہو اس نفع کی دو قسمیں ہیں، حلال یا حرام، اگر حرام ہو اس کے اسباب کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض ہے، اور اگر حلال ہو اس کی تین قسمیں ہیں۔

حلال اسباب کی تین قسمیں اور ان کا حکم

یقینی اور ظنی اور وہمی، اسباب وہمیہ جن کو اہل حرص و طمع اختیار کرتے ہیں جس کو طول اہل (یعنی لمبی لمبی امیدیں باندھنا) کہتے ہیں ان کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض و واجب ہے۔

اور اسباب یقینیہ جن پر وہ نفع عاۃً ضرور مرتب ہو جائے جیسا کھانے کے بعد آسودگی ہو جانا، پانی کے بعد پیاس کم ہو جانا، اس کا ترک کرنا جائز نہیں اور نہ شرعاً یہ توکل ہے اور لغتاً توکل کہا جائے تو یہ توکل ناجائز ہے۔

اور اسباب ظنیہ جن پر غالباً (یعنی اکثر فائدہ اور) نفع مرتب ہو جائے مگر بارہا تخلف بھی ہو جاتا ہو جیسے علاج کے بعد صحت ہو جانا یا نوکری و مزدوری کے بعد رزق ملنا، ان اسباب کا ترک کرنا وہ ہے جس کو عرف اہل طریقت میں اکثر توکل کہتے ہیں، اس کے حکم میں تفصیل یہ ہے کہ ضعیف النفس کے لئے تو جائز نہیں اور قوی النفس کے لئے جائز ہے، بالخصوص جو شخص قوی النفس بھی ہو اور خدمت دین میں مشغول ہو اس کے لئے مستحب بلکہ کسی قدر اس سے بھی مؤکد ہے۔

پس خلاصہ تقریر کا یہ ہوا کہ: (۱) توکل علمی تو مطلقاً (حرام ہے) (۲) اور عملی بمعنی ترک اسباب (قطعہ) حرام ہے۔ (۳) اور ترک اسباب نفع دنیوی موہوم (یعنی موہوم دنیوی نفع کے اسباب کا ترک کرنا) فرض۔

(۴) اور (توکل) بمعنی ترک اسباب دینیہ (یعنی دینی اسباب کا ترک کرنا مثلاً ضروری علم دین حاصل کرنے اور اپنے نفس کی اصلاح کے جو اسباب ہیں ان کو ترک کرنا) (۵) اور (توکل) بمعنی ترک اسباب دنیویہ مباحہ یقینیہ حرام و مذموم ہے۔

(۶) اور (توکل) بمعنی اسباب مباحہ دنیویہ ظنیہ ضعیف النفس کو حرام اور قوی

النفس کو مستحب، پس تین قسمیں فرض اور دو قسمیں حرام اور ایک بعض اوقات میں حرام اور بعض اوقات میں مستحب۔

اس تقریر سے معلوم ہو گیا جو توکل شرعاً ناپسند ہے اس میں اور طاعت میں تنافی ہے ورنہ کوئی منافات نہیں واللہ اعلم۔

تدبیر و اسباب کی مختلف صورتیں اور ان کے شرعی احکام

تدبیر میں دو مرتبے ہیں ایک اس کا نافع ہونا دوسرا اس کا جائز ہونا۔

(۱) سونا نفعیت میں تو یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ تقدیر کے موافق ہوگی تو نافع ہوگی ورنہ نہیں۔

اور اس کے جواز میں یہ تفصیل ہے کہ اس میں دو مرتبے ہیں۔

(۲) ایک مرتبہ اعتقاد کا یعنی اسباب کو مثل حکماء طبعیین و منکرین قدر کے مستقل

بالتاثر سمجھا جائے (یعنی یہ سمجھا جائے کہ ان اسباب و تدابیر میں اللہ کی مشیت کے بغیر بھی بذات خود تاثیر ہے) سو یہ اعتقاد شرعاً حرام و باطل ہے۔

(۳) البتہ تاثیر غیر مستقل کا اعتقاد رکھنا یہ مسلک اہل حق کا ہے جس کا انکار اور نفی

کرنا جبر مذموم ہے۔

دوسرا مرتبہ عمل کا یعنی (اپنے اغراض و) مقاصد کے لئے اسباب اختیار کئے

جاویں سو اس کا حکم یہ ہے کہ اس مقصد کو دیکھنا چاہئے کیسا ہے؟ سو اس میں تین احتمال

ہیں یا وہ مقصد دینی ہے یا دنیاوی مباح ہے یا معصیت۔

(۴) اگر معصیت ہے تو اس کے لئے اسباب کا اختیار مطلقاً ناجائز ہے۔

اور اگر وہ دین ہے تو دیکھنا چاہئے کہ وہ امر دین واجب ہے یا مستحب؟

(۵) اگر واجب ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا واجب ہے۔

(۶) اور اگر مستحب ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا مستحب ہے۔

اور اگر وہ دنیاوی مباح (یعنی جائز دنیا) ہے تو دیکھنا چاہئے کہ وہ دنیاوی مباح ضروری ہے یا غیر ضروری؟ اگر ضروری ہے تو اس کے اسباب کو دیکھنا چاہئے کہ ان پر اس مقصد کا ترتب یقینی ہے یا غیر یقینی ہے؟

(۷) اگر یقینی ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا بھی واجب ہے۔

(۸) اور اگر غیر یقینی ہے تو ضعفاء کے لئے اسباب کا اختیار کرنا واجب اور اقویا کیلئے گوجائز ہے مگر ترک افضل ہے۔

(۹) اور اگر وہ دنیاوی مباح غیر ضروری ہے تو اگر اس کے اسباب کا اختیار کرنا

مضر دین ہو تو ناجائز ہے۔

(۱۰) ورنہ (اگر مضر دین نہ ہو تو) جائز، مگر ترک افضل ہے۔

یہ کل دس صورتیں ہیں اور ہر ایک کا خاص حکم ہے اس تقریر سے معلوم ہو جائیگا کہ کس مرتبہ میں توکل جائز یا ناجائز ہے اور کس مرتبہ میں تدبیر جائز یا ناجائز ہے۔ ان دونوں تقریروں کے جمع کرنے سے اس مسئلہ میں پوری شفاء ہو سکتی ہے۔

توکل کے متعلق مختصر جامع کلام

توکل کی حقیقت ہے غیر متصرف حقیقی سے (یعنی غیر اللہ سے) قطع نظر کرنا اور یہ ”قطع نظر“ اعتقاداً کرنا تو فرض ہے، اور عملاً اسباب ظنیہ کے ترک سے بشرط تحمل مستحب ہے، اور جو اسباب عادۃً یقینی یا مثل یقینی کے ہیں ان کا ترک کرنا معصیت ہے، بجز اہل حال کے کہ ان کو اس کی بھی اجازت ہے، اور یہ سب تفصیل اسباب دنیویہ میں ہے، اور اسباب دینیہ کو ترک کرنا توکل نہیں ہے۔

فصل

اسباب و تدبیر اور دعاء سے متعلق

چند اہم ضروری ہدایات، اصلاحات، تنبیہات

اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو محض اسباب سے کچھ نہیں ہو سکتا

ہر حاجت میں دعا (اللہ ہی سے) کیا کرو اور دل سے دعا کیا کرو اور اس کے ساتھ تدبیر بھی کرو کیونکہ تدبیر امر مشاہد ہے اور مشاہدے سے تسلی زیادہ ہوتی ہے اور دعا کو تدبیر کہنا تو برائے ظاہر ہے ورنہ حقیقت میں اس کا درجہ تدبیر سے آگے ہے، دعا کو تقدیر سے زیادہ قرب ہے کیونکہ اس میں اس ذات سے درخواست و سوال ہے جس کے قبضہ میں تقدیر ہے باقی اسباب و تدابیر کا درجہ صرف اتنا ہے جیسے ریلوے کا ملازم جھنڈی دکھلا دے جس سے ریل گاڑی فوراً رک جائے گی، ظاہر ہے کہ لال جھنڈی میں تاثیر کی قوت نہیں اگر ڈرائیور انجن کو نہ روکے تو ہزار لال جھنڈیاں بھی پامال ہو جائیں گی، پس لال جھنڈی کا درجہ صرف اتنا ہے کہ ڈرائیور نے یہ اصطلاح مقرر کر لی ہے کہ ہم ایسی جھنڈی سے گاڑی کو روک دیں گے اور دوسری قسم سے چلا دیں گے لیکن اگر کسی وقت وہ اس قرارداد کے خلاف کرنا چاہے تو جھنڈی میں اس کو روکنے کی اصلاً (بالکل) طاقت نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ مقرر فرما دیا ہے کہ جو شخص اسباب کو اختیار کرے گا، ہم مسببات کو اس پر فائز کر دیں گے (یعنی اسباب پر نتائج مرتب کر دیں گے) لیکن اگر کسی وقت وہ مسببات کو پیدا نہ کرنا چاہیں تو اسباب سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

موثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہیں

اسباب کا نام ایک مصلحت و حکمت کی وجہ سے ہے ورنہ سب کچھ وہی کرتے ہیں اور بندہ کا نام ہو جاتا ہے کہ حکیم صاحب کے ہاتھ سے شفا ہوئی یا فلاں صاحب کی تقریر کا یہ اثر ہوا۔

صاحبو! اثر اور تاثیر سب خدا کی طرف سے ہے، وعظ کہہ کر جب یہ وسوسہ آتا ہے کہ آج اچھا مضمون بیان ہوا تو میں یہ شعر پڑھتا ہوں۔

کہاں میں اور کہاں یہ نگہت گل نسیم صبح تیری مہربانی
حقیقت میں موثر وہی ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ)

اسباب میں (بذات خود کوئی) تاثیر کی طاقت نہیں وہ صرف علامات ہیں جیسے میں نے ابھی لال جھنڈی کی مثال دی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس مضمون کو بار بار بیان فرمایا ہے چنانچہ ایک جگہ بہت تصریح کے ساتھ فرماتے ہیں:

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ط أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ، أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ط لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ط إِنَّا لَمَغْرُمُونَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ط أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ انْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ط أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ط انْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِلْمُقْوِينَ ط فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ط۔ (سورہ واقعہ پ ۲۷)

(ترجمہ) اچھا پھر یہ بتلاؤ وہ تم جو کچھ تخم (بیج) وغیرہ بوتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس پیداوار کو چورا چورا کر دیں، پھر تم متعجب ہو کر رہ جاؤ گے کہ اب کہ تو ہم پر تاوان ہی پڑ گیا، بلکہ ہم بالکل ہی محروم رہ گئے، یعنی سارا ہی

سرمایہ گیا گذرا، اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا کر ڈالیں، سو تم شکر کیوں نہیں کرتے؟ اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم نے اس کو یاد دہانی کی چیز اور مسافروں کے فائدہ کی چیز بنایا ہے، سو آپ عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے۔ (بیان القرآن)

حاصل اس کا یہ ہے کہ کھیتی کا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے، اگر وہ چاہے تو ہرے بھرے کھیت ایک دم میں خشک ہو جائیں اور کاشتکار ہاتھ ملتے رہ جائیں گے، بادل سے شیریں پانی وہی برساتا ہے اگر وہ چاہے تو سمندر کا شور (کڑوا) پانی اسی شوریت کے ساتھ نازل ہوا کرے جو سمندر میں ہے مگر وہ اپنی رحمت سے اس کو صاف کر کے شیریں کر کے نازل کرتے ہیں۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بار بار سوال فرمایا ہے کہ بتلاؤ یہ کام تم کرتے ہو یا ہم کرتے ہیں؟ جس کا جواب کسی کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں یہ تو اعیان کے متعلق گفتگو تھی۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے افعال بھی ظاہر میں ہمارے معمول نظر آتے ہیں ورنہ حقیقت میں ان کی علت بھی وہی ہیں اور ہماری طرف ان اعمال کی نسبت ایسی ہے جیسے بچے کے ہاتھ میں قلم دے کر پھر اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر لکھا جائے اور دو چار حرف خوشنما لکھ کر بچہ کی تعریف کی جائے کہ شاباش بہت اچھا لکھا، اب اگر بچہ سمجھدار ہے وہ جانے گا کہ میرا کمال کچھ نہیں بلکہ اس کا کمال ہے جس نے اپنے ہاتھ میں میرا ہاتھ لے رکھا تھا اور ناداں ہے تو جہالت سے ناز کرنے لگے گا، مگر جس وقت وہ دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ سے الگ ہو جائے گا اس وقت اس کو معلوم ہوگا کہ وہ لکھنے پر کتنا قادر ہے اور اس میں کتنا کمال ہے۔

صاحبو! اسی طرح اپنے اعمال صالحہ و اوصاف کمالیہ پر نادان ہی ناز کر سکتا ہے جس کو اپنا ہاتھ تو نظر آتا ہے اور دوسرا ہاتھ نظر نہیں آتا، اور جن کو دوسرے ہاتھ کا مشاہدہ ہو گیا ہے، ان کی نظر اپنے کمالات پر اصلاً نہیں ہوتی۔

تدبیر اختیار کرتے وقت بھی اللہ ہی پر نظر رکھو

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ سے مفہوم ہوا کہ تدبیر تو کرے لیکن اصل مقصود تدبیر کے وقت بھی توکل اور خدا پر نظر رکھنا ہے، تدبیر کی مشروعیت کی علت تو محض ہمارا ضعف ہے اور اظہار ہے غایتِ افتقار (اور محتاجگی) کا کہ اے اللہ ہم ایسے مضبوط نہیں ہیں کہ آپ کی بنائی ہوئی چیزوں کے محتاج نہ ہوں۔

بلکہ اس کو اپنا دستور العمل بنا لو کہ جو کام کرو کم از کم ایک ہی مرتبہ یہ ضرور سوچ لیا کرو کہ اے اللہ یہ کام آپ کے اختیار میں ہے اگر آپ چاہیں گے تو ہوگا ورنہ نہیں ہوگا، یہ ایسی سہل اور آسان بات ہے کہ کچھ اس میں مشقت نہیں اور نفع اس کا کثیر ہے، چند روز کر کے تو دیکھو کیا رنگ لاتی ہے۔

اللہ کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنا توکل کے منافی نہیں

اور یہاں سے راز معلوم ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا کہ کھانا تناول فرما کر آپ دعا فرماتے تھے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا غَيْرَ مُسْتَعْنِيٍّ عَنْهُ رَبَّنَا یعنی اے اللہ اس روٹی کے ہم محتاج ہیں ہم اس سے مستغنی نہیں ہیں غرض حق تعالیٰ کے سامنے اسباب کی احتیاج کا اظہار اس نظر سے کہ اپنا افتقار الی اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف محتاجگی)

ظاہر ہو توکل کے منافی نہیں ہے، ہاں اگر خود ان اسباب ہی کو مطلوب بنا لیں تو یہ البتہ منافی توکل ہے، غرض اسباب اور تدبیر کی مشروعیت (اور اس کا جواز) ہمارے ضعف اور افتقار کے اظہار کے لئے ہے نہ کہ ان کو مقصود بالذات بنانے کے واسطے۔ (وعظ التوکل)

تدبیر کی مشروعیت کی حکمت

اور بعض اہل اللہ نے تدبیر کی مشروعیت کی حکمت (کچھ اور بھی) لکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ تدبیر کرنا اس لئے جائز کیا گیا ہے کہ ہم تدبیر کریں اور وہ اس کو توڑتے رہیں تاکہ ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے اسباب اور تدبیر کوئی چیز نہیں، موثر حقیقی حقیقت میں ذات واحد (یعنی اللہ تعالیٰ ہی) ہے چنانچہ بعض اہل حال کے ساتھ عجیب معاملہ ہوتا ہے، کہنے کی بات تو نہ تھی لیکن زبان پر آئی ہوئی بات کہہ دی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ عوام کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوتا ہے کہ ان کو اپنی تدبیر میں کامیابی حاصل ہوتی جاتی ہے اور شاذ و نادر تدبیر خطا بھی ہو جاتی ہے، اور اہل حال و خواص عباد (یعنی اللہ کے خاص بندوں، ولیوں) کے ساتھ (کبھی) یہ معاملہ ہوتا ہے کہ جو تدبیر وہ کرتے ہیں اکثر توڑ دی جاتی ہے، وہ عزم کرتے ہیں کہ فلاں کام نہ کریں گے وہی ان سے صادر ہوتا ہے، آخر رفتہ رفتہ ان کو واضح ہو جاتا ہے کہ ہماری قوت اور ارادہ لاشی محض ہے (یعنی کچھ بھی نہیں) اور اس کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں اور تفویض محض ان کی شان ہو جاتی ہے۔

ترک اسباب کے اقسام و احکام

اس میں یہ تفصیل ہے کہ جو اسباب ایسے ہیں کہ عادتاً مسبب (نتیجہ) اسی پر مرتب ہوتا ہے ایسے اسباب کو تو ترک کرنا حرام ہے ہاں اس کی تقلیل (کمی) کر دے،

جیسے کھانا پیٹ بھرنے کے لئے، پینا سیرابی کے لئے سونا راحت کے واسطے، اگر کسی نے یہ اسباب ترک کر دیئے اور مر گیا تو گناہ کار ہوگا، ہاں اگر کسی کے ساتھ حق تعالیٰ کی یہ عادت ہو جائے کہ اس کو بغیر کھائے بھوک نہ لگے اور ضعف نہ ہو تو مستثنیٰ ہے جیسے بعض بزرگوں نے سال سال بھر نہیں کھایا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواتر کئی کئی روز بدون شب کو افطار کئے ہوئے روزے رکھتے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی دیکھ کر شروع کئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو فرمایا اَیُّكُمْ مِثْلِي اِنَّمَا يُطْعَمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي یعنی تم میں مجھ جیسا کون ہے مجھ کو تو میرا رب کھلا پلا دیتا ہے، ذکر اللہ سے ایسے حضرات کو ایسی سیری حاصل ہو جاتی ہے جیسے غذا سے۔

میرے ایک ذاکر دوست کہتے تھے کہ میں نے آزمایا تھا کہ دیکھوں کتنے دن نہیں کھا سکتا، دس بارہ دن تک متواتر نہیں کھایا تو کچھ زیادہ ضعف محسوس نہیں ہوا، پس یہ لوگ تو مستثنیٰ ہیں، لیکن جو ایسا نہ ہو اور پھر کھانا پینا ترک کر دے اور مر جائے تو حرام موت مرے گا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو ہم پر ہم سے زیادہ رحم ہے کہ اس طور سے اپنے کو ہلاک کر دینے کو حرام فرما دیا۔

توکل کا مفہوم اور اسباب کی تین قسمیں

پس ایسے اسباب کا ترک کرنا جائز نہیں ہاں ایسی تقلیل جو مفضی الی الضعف المفطر (یعنی اتنی کمی جس سے زیادہ کمزوری) نہ ہو جائز ہے اور جس طرح ترک اسباب ناجائز ہے اسی طرح اسباب میں انہماک بھی ناجائز ہے، مثلاً کھانے ہی کی صورت میں نہ یہ جائز ہے کہ بالکل ترک کر دے اور نہ ایسا انہماک جائز ہے کہ جو ملے کھا جائے، نہ حرام کی تمیز کرے نہ حلال کی، ایسے امور میں اسی توسط (واعتدال) کا نام

توکل ہے، ایک قسم اسباب کی یہ ہوئی۔

اور بعض اسباب وہ ہیں کہ مسبب (نتیجہ) ان پر اسباب اختیار کئے بغیر بھی مرتب ہو جاتا ہے جیسے کسب مال کے ذرائع مال حاصل کرنے کے لئے کہ مسبب ان ذرائع پر موقوف نہیں ہے، بلا ان اسباب کے بھی بکثرت ترتب ہو جاتا ہے (یعنی مال مل جاتا ہے)۔

اسباب میں توکل

ایسے اسباب میں توکل یہ ہے کہ اگر اپنے نفس میں قوت پائے اور پریشانی نہ ہو تو ترک کر دینا جائز ہے۔

تیسرے اسباب وہمیه کہ مسبب (اثر اور نتیجہ) کا مرتب ہونا ان پر بہت بعید ہے جیسا دور دراز کا سامان کرنا کہ فلاں جگہ سے روپیہ مل جائے تو جائیداد خریدوں گا، اور اس جائیداد کی آمدنی سے ایک تجارت کا کارخانہ کھولوں گا اس کے بعد فلاں کام کروں گا یہ سوچ کر ان اسباب میں ایسا مشغول و منہمک ہو گیا کہ حلال و حرام کی بھی تمیز نہ رہی ایسے اسباب کا ترک واجب ہے۔

اسباب کی تینوں قسموں کا خلاصہ

پس اسباب کی کل تین قسمیں ہوئی اسباب قطعیه، اسباب ظنیہ، اسباب وہمیه۔
اسباب قطعیه کا ترک حرام اور اسباب ظنیہ کا ترک بشرط قوت نفس مندوب اور اسباب وہمیه کا ترک واجب، صوفیاء کرام توکل سے مراد اسباب ظنیہ کا ترک لیتے ہیں اور قرآن مجید اور احادیث میں جہاں توکل کا امر ہے اس سے کہیں تو تقلیل یا ترک اسباب ظنیہ مراد ہے اور کسی جگہ ترک اسباب وہمیه مقصود ہے یہ تقریر تو نفس توکل کے متعلق تھی۔

خواص متوکلین کی ایک غلطی

توکل کے متعلق بعضے خواص متوکلین ایک غلطی میں مبتلا ہیں وہ غلطی یہ ہے کہ متوکلین کی حالت باعتبار توکل کے تمام احوال میں یکساں نہیں دیکھی جاتی حالانکہ توکل کا تقاضا یہ ہے کہ تمام حالات میں حق تعالیٰ پر یکساں نظر ہو لیکن ان کے مختلف احوال میں بڑا فرق دیکھا جاتا ہے اور اس فرق کا احساس خود ان کو بھی نہیں ہوتا اور وہ فرق یہ ہے کہ اسباب کے ترک میں جتنی ان کی نظر حق تعالیٰ پر ہے اس قدر نظر اسباب کے اختیار کرنے کی صورت میں نہیں ہوتی حالانکہ دونوں مواقع توکل کے ہیں کہ دونوں میں تفویض الی الحق یکساں ہونا چاہئے گو اسباب کے اختیار کرنے کو اصطلاحاً توکل نہیں کہا جاتا۔

لیکن توکل کی حقیقت جو تفویض الی الحق ہے (یعنی جس کا حاصل اللہ کے سپرد کرنا ہے اور ہر حال میں اسی پر اعتماد کرنا ہے) وہ اختیار اسباب اور عدم اختیار اسباب (یعنی اسباب اختیار کرنے اور نہ کرنے) دونوں میں یکساں ظاہر ہونا چاہئے اس لئے کہ الشئى اذا ثبت ثبت بلوازمہ تو توکل کے لوازم بلکہ حقیقت اس کی یہی تفویض الی الحق ہے کہ ہر موقع میں اس کا ظہور ہونا ضروری ہے گو اعتقاداً تو یکساں حالت ہے لیکن حالاً یکساں نہیں ہے، دیکھ لیجئے اور اپنے وجدان کی طرف رجوع کر لیجئے! متوکلین اور غیر متوکلین سب اس بات کا احساس کر سکتے ہیں کہ ترک اسباب میں جو کیفیت قلب کی تفویض (یعنی حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے) کے اعتبار سے ہوتی ہے اس درجہ کی کیفیت اسباب کے اختیار کرنے میں نہیں ہوتی۔

مثلاً ایک شخص نوکری یا تجارت چھوڑ کر بیٹھ گیا تو جیسی نظر اس صورت میں حق تعالیٰ پر ہوتی ہے اس مرتبہ کی نظر اس صورت میں نہیں ہے کہ کھانا کھا رہے ہیں، اس

صورت میں حالاً نظر اس پر ہے کہ کھانا کھانے سے شبع ہوگا (یعنی پیٹ بھر جائے گا اور سیرابی ہو جائے گی) یہ حالت نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اگر چاہیں گے تو شبع اور قوت حاصل ہوگی ورنہ نہیں، یا مثلاً مکان بنوار ہے ہیں یہاں اس قسم کی نگاہ حق تعالیٰ پر نہیں بلکہ اسباب پر نظر ہے، جتنا روپیہ پاس ہے اس پر نظر ہے اور آئندہ کے لئے فکر ہے کہ کیسے اس کی تکمیل ہوگی پس اس فرق کے کیا معنی؟

یہ ہے وہ غلطی جو اول میرے ذہن میں آئی اس کے بعد تلاش ہوئی کہ کہیں شریعت میں بھی اس کا پتہ ہے یا نہیں چنانچہ تلاش کے بعد معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ صریح دلالت اس مضمون پر اس آیت میں ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں: **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ** یعنی ان سے کام میں مشورہ کیجئے پھر جب آپ عزم کریں گے تو اللہ پر بھروسہ کیجئے۔

اس آیت میں ایک مرتبہ تو ہے مشورہ کا اور دوسرا مرتبہ ہے عزم کا یعنی جب مشورہ میں پختہ ارادہ ایک جانب کا طے ہو جائے اس کے بعد حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے یہ ظاہر بات ہے کہ مشورہ ایک تدبیر ہے پس مشورہ کا محل وہ امر ہوگا جو محل تدبیر ہو اور اس کا تعلق اسباب اور تدبیر سے ہو، غیر اختیاری نہ ہو اور نیز عزم کا حاصل ہے ترجیح احد المقدورین (یعنی جن دو چیزوں پر قدرت ہو ان میں سے ایک کو راجح قرار دینا) اس سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ امر اختیاری کے متعلق یہ ارشاد ہے۔

پس حاصل یہ ہوا کہ جن امور کا تعلق اسباب سے ہے ان کی نسبت ارشاد ہے کہ ان کے اسباب اور تدبیر میں اول آپ مشورہ فرمائیے اور مشورہ میں جو امر طے ہو یعنی جس سبب کی مباشرت (اور اختیار کرنا) قرار پائے جب آپ اس سبب کا عزم فرمادیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے، پس اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ توکل کچھ اسی موقع کے

ساتھ خاص نہیں ہے کہ جس میں اسباب کو ترک کر دیا جائے بلکہ اسباب کے اختیار کرنے کی صورت میں بھی توکل اپنے آثار و لوازم کے ساتھ ہونا چاہئے۔

اب دیکھ لیجئے کہ اس حالت میں توکل کس کے اندر ہے؟ عوام تو عوام خواص جو تارکِ اسباب یا مقبِلِ اسباب ہیں (یعنی اسباب کو چھوڑنے والے یا ان میں کمی کرنے والے ہیں) ان میں بھی یہ کوتاہی دیکھی جاتی ہے جیسے ان کی نظر اسباب نہ اختیار کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے اس درجہ کی نظر اسباب کے اختیار کرنے کی حالت میں نہیں ہوتی تو یہ بڑی کوتاہی ہے۔

کامل توکل کا تقاضا اور اس کی علامت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توکل کی حالت

اور حقیقت میں توکل کی صفت میں کمی ہے اور اپنی اس غلطی پر تنبہ نہیں ہے، مجھ کو خود اس پر تنبہ نہیں تھا سفر میں یہ بات محسوس ہوئی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سفر میں تو توکل کی صفت کا ظہور زیادہ ہوتا ہے یعنی جب کہیں سفر ہوتا ہے تو قلب خوف ورجا (ڈر اور امید) میں ہوتا ہے کہ دیکھئے گھر واپسی ہوگی یا نہیں اگر حق تعالیٰ خیر و عافیت رکھیں گے تو ہو جائے گی ورنہ ممکن ہے کوئی عارض ایسا پیش آجائے کہ جو راستہ ہی میں ختم ہو جائیں حالانکہ اسباب گھر پہنچنے کے موجود ہیں لیکن ان اسباب پر نظر نہیں ہوتی صرف حق تعالیٰ پر ہوتی ہے، پس اس مقام پر تو حالی توکل حق تعالیٰ نے نصیب کر دیا اور ممکن ہے کہ یہ امر میرے ضعفِ قلب سے ہو اور میں اس کو توکل سمجھتا ہوں، بہر حال جو کچھ بھی ہو اس حالت میں نظر حق تعالیٰ پر ہوتی ہے یہ تو سفر کی حالت تھی۔

اور مسجد سے گھر جانے تک یہ کیفیت نہیں ہوتی کہ قلب کے اندر خوف ورجا کی کیفیت ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا تو پہنچیں گے ورنہ نہیں جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت ہر وقت تھی، چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب سے فارغ ہو کر فوراً تیمم فر لیتے تھے، صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی تو موجود ہے، آپ فرماتے ہیں کہ شاید پانی تک نہ پہنچ سکوں، پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ہر وقت اور ہر حال میں حق تعالیٰ پر تھی، یہ بات ہم لوگوں کو میسر نہیں، ہماری جو حالت کلکتہ جانے سے ہوتی ہے اسٹیشن پر جانے میں وہ کیفیت نہیں ہے۔

یا مثلاً مکان بنوار ہے ہیں جتنا روپیہ پاس ہے اس کا نقشہ تو سامنے ہے اور آگے کا کھٹکا ہے، گویا روپیہ کے اختتام کے بعد تو حق تعالیٰ پر نظر ہے اور روپیہ ہونے تک اسباب پر نگاہ ہے، توکل کا مقتضا تو یہ تھا کہ اسباب کے ہوتے ہوئے بھی حق تعالیٰ ہی پر نظر ہوتی کہ اگر وہ چاہیں گے تو مکان بنوادیں گے ورنہ نہیں سو یہ حالت نہیں ہے۔

اور لیجئے دواپی کر صحت کی امید میں حق تعالیٰ پر نظر ہوتی ہے ایسی نظر اس وقت تک نہیں ہوتی کہ ”جو شانده“ پک کر ہمارے پاس آرہا ہے اس وقت یہ احتمال نہیں ہوتا کہ شاید راستہ ہی میں گر جائے اور ہم تک نہ پہنچے۔

خلاصہ یہ ہے کہ خوف ورجا (یعنی امید اور خطرہ) ہر وقت ہونا چاہئے اس لئے کہ خوف ورجا توکل کے لوازم سے ہے حالانکہ ہماری یہ حالت نہیں بے شک یہ کمی ہے حال کی اور بڑی بھاری کمی ہے کہ جس کی طرف آج تک التفات بھی نہ ہوا تھا، اسی ہفتہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر تنبیہ ہو اور سفر کی بدولت یہ بات سمجھ میں آئی۔

میں کہا کرتا تھا کہ سفر عذابِ جان ہے مگر اس سفر میں اس علم کے حاصل ہونے سے یہ خیال بدل گیا اور معلوم ہوا کہ سفر بسا اوقات بہت سے فوائد کا سبب (بھی) ہوتا ہے مگر اس کا احساس چھوٹے سفر میں نہیں ہوا، بڑے سفر میں ہوا یہ ریل کی برکت ہے کہ

اس کے سبب توجہ الی اللہ ہوئی، اسی طرح ریلوے کے قصے جو سنے گئے کہ لڑ جاتی ہے اس روز سے جب ریل میں سوار ہونے کا اتفاق ہوتا ہے تو خوف معلوم ہوتا ہے کہ دیکھئے صحیح سلامت گھر پہنچتے ہیں یا نہیں، اور حق تعالیٰ پر نظر ہوتی ہے کہ وہی چاہیں گے تو پہنچائیں گے، اس اعتبار سے ان ریلوں کا وجود بھی ہمارے حق میں رحمت ہو گیا اس لئے کہ جو شے توجہ الی اللہ کا سبب ہو جائے اس کے رحمت ہونے میں کیا شک ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی حکایت

عمر بن عبدالعزیزؓ کی حکایت یاد آگئی کہ ان کے مکان میں ایک زینہ تھا جب وہ اس پر چڑھتے تھے اس کی ایک اینٹ ہلا کرتی تھی، ایک لونڈی نے اس کو گارا لگا کر مضبوط و درست کر دیا، ایک بار جو وہ چڑھے تو وہ ہلی نہیں پوچھا کہ اینٹ کیوں نہیں ہلی؟ عرض کیا گیا کہ اس کو درست کر دیا گیا ہے، فرمایا کہ اس کا ہلنا ہمارے لئے رحمت تھا کہ جب ہم اس پر قدم رکھتے تھے تو ہم کو پلصراط یاد آتا تھا کہ اے اللہ اس اینٹ سے ہم کو جب اندیشہ ہوتا ہے تو پلصراط پر کیا حال ہوگا، پس منشا میرے اس اندیشہ و خوف کا جو کہ ریل میں ہوتا ہے اگر ضعفِ قلب و وہم بھی ہو تو جو ضعف سبب ہو جائے استحضار کا تو وہ مبارک ہے اور بہتر ہے اس قوت سے جو کہ غفلت کا باعث ہو ایسی قوت کس کام کی ہے۔

ہر وقت مسبب یعنی اللہ تعالیٰ ہی پر نظر رکھنے کی ضرورت

ایک مختصر سی بات تھی جس کو میں مختصر ہی بیان کرنا چاہتا تھا لیکن مضمون طویل ہو گیا یہاں سے بھی یہ مسئلہ جس کا ذکر کر رہا ہوں ثابت ہو گیا اور اپنی بصیرت کی کمی بھی معلوم ہو گئی کہ اختصار کے قصد کے وقت نظر ہونا چاہئے تھا حق تعالیٰ پر کہ اگر اللہ تعالیٰ کی

مشیت ہوگی تو اختصار ہوگا ورنہ نہیں، مگر اس سے غفلت ہوئی۔

اور میرا مقصود اس مضمون کے اظہار سے یہ نہیں کہ اسباب کو ترک کر دیا جائے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ جیسے ترک اسباب میں خدا تعالیٰ پر نظر ہے اسی طرح اسباب کے اختیار کرنے کی صورت میں بھی ہونا چاہئے غرض کسی وقت مسبب (یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے) سے غفلت نہ ہو۔

ایک بزرگ کہتے ہیں۔

عقل در اسباب می دارد نظر عشق می گوید مسبب را نگر

عقل اسباب پر نظر رکھتی ہے اور عشق مسبب پر (یعنی اللہ تعالیٰ پر) نظر رکھتا ہے یعنی اسباب سے نظر متجاوز کر کے خالق الاسباب کو دیکھو، اسباب پر جس طرح اعتقاداً نظر نہیں ہے حالاً بھی نظر نہ ہو۔

مثلاً ایک شخص لکڑی سے کسی کو مار رہا ہے تو جو کوتاہ نظر ہے وہ تو کہے گا کہ لکڑی مار رہی ہے اور جس کی نظر اس سے آگے ہے وہ کہتا ہے کہ بے وقوف لکڑی کیا مارتی، ہاتھ مارتا ہے اور حقیقت میں مارنے والے کی طرف نسبت کرے گا، پس اسباب کو ایسی حیثیت سے مت دیکھو جس حیثیت سے اس ظاہر بین شخص نے لکڑی کو دیکھا۔

ایک شبہ کا جواب

اب یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ تمہاری تقریر کا حاصل تو یہ ہوا کہ توکل کی شان یہ ہے کہ آدمی ہر وقت ایسے ہی خوف ورجا (امید اور خطرہ) کے اندر رہے جیسے ترک اسباب کی صورت میں رہتا ہے پس تم تو تردد اور تذبذب اور پریشانی اور بے اطمینانی کی تعلیم کرتے ہو حالانکہ بزرگوں کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا پر

بھروسہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خلیجان بالکل نہ ہو قلب مطمئن ہو اور بعض آیات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا اللَّهَ، كَمُ مِنْ فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِتْنَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ.

غرض قرآن وحدیث اور بزرگوں کے اقوال سے تو قرار (سکون واطمینان) کی تعلیم ہوتی ہے اور تم بے قراری سکھلاتے ہو۔؟

دوسری جگہ ارشاد ہے وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ، یعنی جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے وہ اس کو کافی ہے یہ آیت بھی سکون کی تعلیم کرتی ہے اور تمہاری تقریر سے حرکت و اضطراب کی تعلیم معلوم ہوتی ہے۔

بات یہ ہے حفظت شیا و غابت عنک اشیاء (ایک پہلو پر تمہاری نظر گئی دوسرے پہلوؤں سے بے خبر ہے) حق تعالیٰ کے ارشاد سے یہ کہاں معلوم ہوتا ہے کہ ایک جانب کو قرار دے لو، یہ کہیں وعدہ نہیں ہے کہ جو جانب تمہاری مرضی کے موافق ہے اس کا ہی وقوع ہوگا کَمُ مِنْ فِتْنَةٍ میں خود اس کی طرف ارشاد ہے کہ بعض جماعتیں مغلوب بھی ہوتی ہے اسی طرح وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ، میں کفایت کا مطلب یہ نہیں کہ حسب مرضی سب کام ہوا کریں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو مناسب ہوگا اس کا ظہور ہوگا اور جو کچھ واقع ہوگا وہی مصلحت ہوگا، کار سازی ان کی شان ہے کہ ”خواجہ خود روش بندہ پروری داند“ جیسے بچہ کو طبیب کے سپرد کیا جاتا ہے اور اس پر کفایت ہو جاتی ہے اور تردد نہیں رہتا اس لئے کہ جانتے ہیں کہ جو اس کے لئے بہتر ہوگا وہی تجویز کرے گا، یہ مقصود نہیں ہوتا کہ جو بچہ چاہے وہ ملے گا، حلوا مانگے گا تو حلوا ملے گا اور مٹھائی چاہے گا تو مٹھائی ملے گی، بلکہ جوشی اس کو مفید اور نافع ہوگی خواہ اس کو گوارا ہو یا ناگوار، وہ ملے گی پس تردد تو تصور کے درجہ میں ہے اور سکون ہے حال کے

مرتبہ میں یعنی تردد اس معنی کر ہے کہ دیکھئے قضا و قدر سے کیا واقع ہوتا ہے اور سکون اس پر ہے کہ جو کچھ واقع ہوگا بہتر اور مناسب ہوگا، چنانچہ جو شق بھی ظاہر ہوتی ہے اس پر یہ حضرات اسی طرح مطمئن ہوتے ہیں جس طرح دوسری شق کے وقوع پر، دونوں حالتوں میں سکون کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا، ہاں طبعی رنج اور غم امر آخر ہے پس سکون اور حرکت دونوں اس طرح جمع ہو گئے۔

حاصل یہ ہوا کہ توکل یہ ہے کہ خواہ اسباب کو ترک کرے یا اختیار کرے ہر وقت اس پر نظر ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ چاہیں گے تو یہ کام ہوگا ورنہ نہ ہوگا اور سکون یہ ہے اگر کام نہ بھی ہو تو اس پر قلب کو راضی ہونا چاہئے کہ یہی بہتر تھا لیکن باوجود اس حالت کے اسباب کو پھر بھی نہ چھوڑے۔

دعاء بھی اسباب توکل میں شامل ہے

اور انہیں میں دعا بھی داخل ہے جس پر بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب یہ امر متعین ہے کہ جو کچھ ہوگا بہتر ہوگا پھر ایک جانب کی درخواست اور دعا کرنے کے کیا معنی؟ بات یہ ہے کہ اس میں اظہار ہے افتقار (اور محتاجی) کا اور اسی لئے دعا کرتے وقت تردد (یعنی اگر نگر) نہ کرو، بلکہ جس جانب کو تم خیر سمجھتے ہو اور تمہارے علم میں وہ مصلحت ہے اس کو تعیین کے ساتھ خدا تعالیٰ سے مانگو، ہاں جس کے خیر ہونے میں شبہ ہو وہاں قید لگا دی جائے اور تنگ چشموں کے نزدیک اس میں بھی بظاہر سخت تعارض معلوم ہوتا ہے کہ مانگی ہوئی چیز بھی خیر ہو اور جب اس کے خلاف واقع ہو تو اس مانگی ہوئی چیز کے مقابل خیر ہو مگر فی الواقع تعارض کچھ نہیں اس لئے کہ جس جانب کو تم مانگ رہے ہو خیر (یعنی بھلائی) وہ تمہارے علم کے اعتبار سے خیر ہے اور جو واقع ہوگا وہ حقیقت کے لحاظ سے خیر (بھلائی) ہے۔

دعاء پر بھروسہ کر کے اسباب و تدبیر کو ترک کرنا بڑی غلطی ہے

دعاء کے متعلق بھی لوگوں کو غلطی ہو رہی ہے (کہ محض دعاء کو کافی سمجھ کر کوشش و تدبیر نہیں کرتے حالانکہ) دعاء میں وہ تدبیر بھی داخل ہیں، کیونکہ (دعاء کی دو قسمیں ہیں) ایک دعاء قولی ہے ایک دعاء فعلی ہے (دعاء فعلی کا مطلب کوشش و تدبیر اختیار کرنا ہے) اور اگر دعاء کے صرف وہی معنی ہیں جو تم سمجھتے ہو تو پھر نکاح بھی نہ کرو اور کہہ دو کہ ہم کو پیر صاحب کی دعاء پر اعتماد ہے، اولاد کی تو ہمیں بڑی تمنا ہے مگر نکاح نہیں کریں گے، بس یوں ہی کسی طرح دعاء سے اولاد ہو جائے گی (کیا ایسا بھی عادتاً ممکن ہے؟) دعاء کے معنی یہ ہیں کہ جتنی تدبیریں (اور ظاہری اسباب و کوششیں) ہو سکیں، سب کرو، اور پھر دعاء بھی کرو، اور محض تدبیر (و کوشش) پر بھروسہ نہ کرو، بھروسہ دعاء (یعنی اللہ ہی) پر کرو، یہ مضمون ایک حدیث شریف کا ہے ”اعقل ثم توکل“ یعنی اونٹ کو باندھ! پھر خدا پر بھروسہ کر! یہ ہے توکل۔

عادت اللہ یوں ہے کہ محل دعاء اگر فعل اختیاری ہو اور اختیار سے کام نہ لیا جائے تو دعاء بھی قبول نہیں ہوتی، جامع صغیر میں ایک حدیث کا ٹکڑا ہے کہ اگر متاع و اسباب قصداً غیر محفوظ جگہ میں رکھ دیا جائے تو منجانب اللہ اس کی حفاظت نہیں فرمائی جاتی یعنی اگرچہ حفاظت کی دعاء کرے، او کمال قال۔

توکل و تفویض کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تدبیر ترک کر دو

(توکل و تفویض) کا یہ مطلب نہیں کہ تدبیر نہ کرو، کیونکہ (توکل و) تفویض ترک تدبیر کا نام نہیں، تدبیر بھی اسی کا حکم ہے جس کے لئے تم تفویض (یعنی توکل)

کر رہے ہو، بس تفویض یہ ہے کہ تدبیر کرو مگر اس پر نظر نہ کرو، اور اپنی تجویز سے نتیجہ کی کوئی شق متعین نہ کرو کہ یوں ہونا چاہئے۔

اسباب و تدبیر سے ثمرات و نتائج مقصود نہیں اتباع شریعت اور حق تعالیٰ کی رضا مقصود ہے

(اسباب و تدابیر اختیار کرنے سے) ثمرات مقصود نہیں ہیں، صرف رضا حق (یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اس کے حکم کی پیروی) مقصود ہے، نہ مدرسہ مقصود ہے نہ طلبہ کی کثرت مطلوب، نہ عمارت مقصود ہے، صرف حق تعالیٰ کی رضامندی مطلوب ہے، اگر رضاء حق کے ساتھ یہ کام چلتے رہیں تو چلاؤ، اور اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق کام کرتے رہو، اور جو کام طاقت سے زیادہ ہو اس کو الگ کرو۔

واللہ اس علم سے بہت سے پریشان حالوں کی پریشانی اور وساوس ختم ہو گئے ہیں اس علم سے اعمال میں کام لے کر دیکھو تو اس کی قدر ہوگی۔

مثلاً کسی کا بچہ بیمار ہوا تو دوا دارو کرو مگر ثمرہ متعین نہ کرو کہ یہ اچھا ہی ہو جائے بلکہ محض حق تعالیٰ کی رضامندی کے لئے علاج کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کا یہ حق رکھا ہے کہ بیماری میں ان کی خدمت کرو (اس نیت سے) علاج کرو، (لیکن) ثمرہ پر نظر نہ کرو، اسی طرح مدرسہ جاری کرو اور رضاء حق پر نظر رکھو، یہ ثمرہ متعین نہ کرو کہ ہمارا مدرسہ ایسا ویسا ہونا چاہئے، یہ دھن کہاں کی لگائی، یہ دھن نہیں بلکہ گھن ہے، پھر وہ جس حال میں راضی رہیں تم خوش رہو، (اسی طرح دعوت و تبلیغ میں بھی سمجھنا چاہئے) ۲

فصل

دنیا برائے دین مطلوب ہے

دنیا برائے دین بھی طاعت ہے

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ (البقرہ آیت نمبر ۱۹۸)
تم کو اس میں بھی ذرا گناہ نہیں کہ معاش کی تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے۔

فائدہ: اس میں دلالت ہے کہ دنیا سے دین پر استعانت کرنا بھی طاعت ہے۔

زہد میں غلو کی ممانعت

وَمَا لَكُمْ إِلَّا أَنْ تَكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ بِكُمْ عَلَيْهِ (الانعام آیت ۱۱۹)
اور تم کو کون سا امر اس کا باعث ہو سکتا ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔

فائدہ: روح میں امام ابوالمصورؒ سے منقول ہے کہ بعض مسلمان تقشف و زہد کے سبب بعض طیبات (پاکیزہ اور حلال چیزوں) کو نہ کھاتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تو اس میں ممانعت ہے غلوفی الزہد کی، جیسے بعض جاہل صوفی کرتے ہیں۔ ۲۔

کھانے پینے کی چیزوں میں وسعت زہد کے خلاف نہیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں تشریف لائے اور وہ اپنے باغ میں پانی پھیر رہا تھا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے پاس ایسا پانی ہو جو اس شب کو مشک میں رہا ہو (یعنی باسی پانی ہو تو لاؤ) ورنہ (یہی پانی جو باغ میں جاری ہے) منہ لگا کر پی لیں گے (روایت کیا اس کو بخاری نے)۔^۱ فائدہ: بعض اکابر سے مطاعم و مشارب (یعنی کھانے پینے کی چیزوں) میں توسع اور کسی قدر اہتمام اور تکلف منقول ہے، بعض خشک مزاج ان پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ یہ نفس پروری اور بزرگی کے خلاف ہے اس حدیث میں باسی پانی (یعنی ٹھنڈے پانی) کی تلاش اور اہتمام مذکور ہے جس سے اس کا غیر مذموم ہونا ثابت ہو با لخصوص منہی کے لئے اور از اس میں یہ ہے کہ بسا اوقات اس میں منعم حقیقی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی محبت بڑھتی ہے اور بعض اوقات مقصود اپنی احتیاج کا اظہار عملی ہوتا ہے اور یہ سب مقاصد سلوک میں سے ہیں غرض ترک لذات میں بعض خاص مصالح ہیں اور تناول لذات میں بعض خاص مصالح ہیں احوال کے اختلاف سے مختلف اوقات میں ایک کو دوسرے پر ترجیح ہو جاتی ہے۔^۲

مال و دنیا کی طبعی محبت زہد و توکل کے خلاف نہیں

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسریٰ کا خزانہ مفتوح ہو کر آیا تو سونے چاندی اور جوہرات کا بڑا انبار تھا آپ نے اس کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کی:

خداوند آپ کا ارشاد ہے زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ

^۱ کتاب الاشریة، باب الکوع فی الحوض، حدیث: ۵۶۲۱، ابوداؤد، کتاب الاشریة حدیث:

۳۷۲۳، تبییر الوصول ص ۱۹۹۔^۲ الکشف ص ۳۱۸

وَالْبُنَيْنِ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةَ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ
وَالْحَرْثِ - (آل عمران پ ۳)

کہ لوگوں کے دلوں میں خواہشوں کی محبت آراستہ کر دی گئی ہے، جن میں عورتیں بھی ہیں اور اولاد بھی، اور سونے چاندی کے ڈھیر بھی اور گھوڑے نشان کردہ اور چوپائے اور کھیتی بھی۔

ذِیْن صِیغۃ مجہول ہے جس کا فاعل یہاں مذکور نہیں علماء میں اس کے فاعل کے بارے میں اختلاف ہوا ہے بعض نے اس کا فاعل شیطان کو مانا ہے کہ شیطان نے ان چیزوں کی محبت قلوب میں آراستہ کر دی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کو فاعل مانا ہے، دونوں میں منافات کچھ نہیں دونوں صحیح ہیں کیونکہ تزیین کے دو درجے ہیں ایک وہ جو درجہ معصیت کی طرف منفضی ہو (یعنی ناجائز اور گناہ کی طرف لے جانے والا ہو) اس کا فاعل تو شیطان ہے اور ایک درجہ طبعی تزیین کا ہے (یعنی فطری طور پر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی محبت رکھی ہے) جو کسی حکمت سے ودیعت رکھی گئی ہے، اس کے فاعل اللہ تعالیٰ ہیں کیونکہ طبعیات سب خدا کی پیدا کردہ ہیں، آخر آپ کو کھانے پینے کی محبت نہیں ہے؟ یقیناً ہے پھر طبعاً مال و زر کی محبت بھی ہو تو کیا حرج ہے اور جس طرح طبیعت کے درجہ میں طعام و شراب کی محبت فیتح نہیں، اسی طرح اس درجہ میں مال و اولاد کی محبت بھی فیتح نہیں اب اللہ تعالیٰ اس کے فاعل ہوں تو کچھ اشکال نہیں ہاں جو درجہ منفضی الی المعصیت ہے (یعنی مال و اولاد کی وہ محبت جو ناجائز کا ذریعہ بن جائے) اس کا فاعل شیطان ہے۔

غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مال کی محبت آپ نے ہمارے دلوں میں مزین کی ہے اس لئے ہم یہ تو نہیں چاہتے کہ ہم کو مال سے محبت نہ ہو اور نہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے ہم کو خوشی نہیں ہوئی، ہاں یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس محبت کو اپنی رضا کی طرف منعطف (مائل) کر دیجئے اور اس کو اپنے دین کے کام میں صرف کر دیجئے۔

سبحان اللہ! یہ حضرات ہیں عارف کامل۔

یہ حکایت میں نے اسی واسطے ذکر کی ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جس طرح لوگوں نے صبر کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کی ہے کہ صورت شکایت کو بھی خلاف سمجھتے ہیں، اسی طرح ترک دنیا اور زہد کی حقیقت سمجھنے میں بھی غلطی کی ہے لوگ مال کی محبت کو مطلقاً زہد کے خلاف سمجھتے ہیں حالانکہ طبعی محبت زہد کے خلاف نہیں بلکہ خلاف زہد وہ درجہ ہے جو معاصی کی طرف مفضی ہو، (یعنی گناہوں کا ذریعہ ہو)!

مال و دولت کی محبت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عجیب ارشاد ہے آپ کے زمانہ میں کسی غزوہ سے بے شمار مال و دولت لایا گیا تو آپ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ کا ارشاد ہے:

زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ
مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ - الآية - (آل عمران پ ۳)

یعنی لوگوں کی نظر میں اپنی شہوتوں (خواہشات) کی محبت مزین کر دی گئی ہے یعنی عورتوں، اولاد اور سونے چاندی کے ڈھیروں کی محبت لوگوں کے قلوب میں آراستہ کر دی گئی ہے، اور اے پروردگار جب آپ نے خود ہی کسی مصلحت سے اس کی محبت کو مزین کر دیا ہے تو یہ درخواست کہ ہمارے دل میں اس کی محبت ہی نہ رہے خلاف ادب ہے، اس لئے یہ درخواست ہی نہیں کرتے بلکہ یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس محبت کو اپنی رضا کا ذریعہ بنا دیجئے۔

تو دیکھئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر آج کون عارف (اور بزرگ، زاہد) ہوگا، آپ نے مال کی محبت ختم ہو جانے کی دعاء نہیں کی کیونکہ مال کی محبت میں بھی حکمتیں ہیں۔ ۲

۱ الفصل والانفصال ما حقه تدبیر و توکل ص ۱۹۲ ۲ انباء الحبوب، ما حقه تسلیم و رضاء ص ۳۹۳، ۳۹۴

مال و عزت کی ضرورت

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ**۔

(سورہ منافقون پ ۲۸)

(یعنی عزت اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے) جس شخص کا اس آیت پر ایمان ہوگا وہ عزت حاصل کرنے سے کیسے روکے گا، عقلی طریقہ پر انسان کو دو چیزوں کی ضرورت ہے نفع حاصل کرنا، اور نقصان سے بچنا، آدمی جو کچھ کرتا ہے اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ یا نفع حاصل کرتا ہے یا نقصان سے بچتا ہے، دوسری بات یہ سمجھئے کہ ضروری چیزوں کے طریقے بھی ضروری ہوتے ہیں، اور اس کا طریقہ مال و عزت کا حاصل کرنا ہے، کیونکہ مال تو فائدہ حاصل کرنے کے واسطے ہوتا ہے، اور عزت نقصان سے بچانے کے لئے، اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ عزت اور مال پسندیدہ اور حاصل کرنے کے قابل چیزیں ہیں بشرطیکہ صحیح طریقہ سے ہوں، شریعت کی حد میں رہ کر ہوں، اور جو لوگ مال و عزت حاصل کرنے کی برائی کرتے ہیں ان کا مطلب مال کی محبت اور عزت کی محبت سے منع کرنا ہے، اور محبت بھی ایسی جو حق تعالیٰ کی محبت سے بڑھی ہوئی ہو، کہ ان کی محبت میں اللہ تعالیٰ کی محبت کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا جائے۔

مال کی اہمیت اور اس کی حکمت

میں سفیان ثوریؒ کا قول عرض کرتا ہوں جو انہوں نے مال کے بارے میں فرمایا ہے، اور یہ وہ بزرگ ہیں جو دنیا اور دنیا داروں سے انتہا درجہ کی نفرت رکھتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ جس کے پاس پیسہ ہو اسے چاہئے کہ اس کی قدر کرے، اڑائے نہیں، یہ حضرات

مرئی تھے، حدود کے سمجھنے والے تھے، آپ فرماتے ہیں کہ حلال میں اس کی گنجائش نہیں ہوتی کہ اس کو فضول خرچ کیا جائے، اور آپ اس کی مصلحت بھی بیان کرتے ہیں کہ اگر دراہم (مال و دولت) ہمارے پاس نہ ہوتے تو حکمراں ہم کو رومال بنا لیتے اور پامال کرتے (یعنی جس طرح چاہتے استعمال کرتے) واقعی جس کے پاس مال ہوتا ہے اس پر حکمراں دست اندازی نہیں کر سکتے، مال والا بڑی آن بان سے رہتا ہے، اور اس کی وہ عزت ہوتی ہے جو بے پیسہ والے کی نہیں ہو سکتی، اس کو سر نیچا نہیں کرنا پڑتا، بھائی اسی واسطے مال بڑی قدر کی چیز ہے، حضرت سفیان ثوریؒ نے مال کی یہ حکمت بیان فرمائی۔

اب آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ مال کیسی چیز ہے، کیا یہ خدا تعالیٰ کی نعمت نہیں ہے کہ جیسے غریب پر امیر لوگ دست اندازی کر سکتے ہیں (اپنا تابع بنا لیتے ہیں) مال والے پر نہیں کر سکتے؟ مال داری ہی تو اس کا سبب ہے، بس ایسی چیز کو برباد کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔

مسلمانوں کی کمزوری کا سبب افلاس بھی ہے

اس وقت جو مسلمان کمزور نظر آتے ہیں اور دب گئے ہیں، اس کا ایک بڑا سبب افلاس (تنگ دستی بھی) ہے جس نے سب کے سامنے جھکا دیا، اور پہلے بزرگوں پر قیاس نہ کرنا چاہئے، ان میں ایمانی قوت تھی، وہ افلاس (تنگ دستی) سے پریشان نہ ہوتے تھے، اور اس وقت دین کی قوت تو مسلمانوں میں ہے نہیں، اگر مال کی بھی نہ ہو تو سوائے ذلت کے اور کیا ہوگا۔

آج کل پیسہ کی قدر کرنا چاہئے اس کے نہ ہونے کی وجہ سے بھی انسان بہت سی آفتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، دین فروشی بھی اسی آفت کی ایک قسم ہے، دین کی حفاظت کے لئے آج کل یہ ضروری ہے کہ مسلمان اپنے پاس کچھ رقم جمع رکھے۔

۱ احکام المال ملحقہ التبلیغ ص ۱۰۷ ۲ ارشادات حکیم الامت ص ۲۹۳ ۳ انفاس عیسیٰ ص ۳۰۸

بقدر ضرورت مال جمع کر کے رکھنے کے ضرورت

بعض طبیعتوں بلکہ اکثر لوگوں کے لئے اس زمانہ میں بقدر ضرورت مال جمع کرنا ضروری ہے، ان کا تقویٰ مال ہی تک رہتا ہے اگر مال ہے تو نماز روزہ بھی ہے ورنہ کچھ نہیں۔^۱ میں آج کل مسلمانوں کو خالی ہاتھ رہنے کی رائے نہیں دیتا بلکہ وہ رائے دیتا ہوں جو حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ والوں کو دی تھی، فرمایا کرتے تھے آج کل کسی کے پاس کچھ دینار (روپیہ پیسہ) ہوں تو ان کی قدر کرے، کیونکہ پہلے تو ایسا زمانہ تھا کہ روپیہ پیسہ نہ ہونے سے دین پر اندیشہ نہ ہوتا تھا اور اب وہ زمانہ ہے کہ روپیہ پیسہ نہ ہونے سے دین پر اندیشہ ہے، اور روپیہ پیسہ پاس ہو تو دین کی حفاظت رہتی ہے، جب حضرت سفیان ثوری ہی کے زمانہ میں یہ حالت ہو چلی تھی تو اب تو اس کی اور زیادہ ضرورت ہے۔^۲

دنیا کی حقیقت

دنیا کہتے ہیں خدا سے غافل ہونے کو، نہ کہ مال و دولت اور بیوی بچوں کو، دنیا کا اطلاق دو معنی پر آتا ہے ایک تو دین کے مقابلہ میں دنیا بولی جاتی ہے جس کے معنی بے دینی کے ہوتے ہیں، اور ایک آخرت کے مقابلہ میں بولی جاتی ہے جس کے معنی حیات دنیا (یعنی دنیاوی زندگی) کے ہوتے ہیں اور قرآن و حدیث میں دنیا کا استعمال دونوں معنی میں آیا ہے۔

جو دنیا آخرت کے مقابلہ میں ہے اس کی دو قسمیں ہیں مذموم (بری) یعنی لہو لعب، غیر مذموم (جو بری نہ ہو) یعنی دنیاوی ساز و سامان و مال۔

۱۔ ارشادات حکیم الامت ص ۴۹۲ ۲۔ تجرید معاشیات ص ۳۳۰

پس وہ ہر حال میں مذموم نہیں، بلکہ مذموم وہ (دنیا) ہے جو دین کے مقابلہ میں ہو، جیسے حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ (بیہقی باب الزہد) کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے، یہاں دنیا دین کے مقابلہ میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ بے دینی کی باتوں سے محبت نہیں کرنا چاہئے، یہ مطلب نہیں کہ بیوی بچوں سے محبت نہ کرے کیونکہ یہ بے دینی کی چیزیں نہیں ہیں۔

دنیا مذموم و محمود کا معیار

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَوَلَعِبٌ . (عنکبوت پ ۲۱)

(اور نہیں ہے دنیا مگر لہو و لعب) یہاں حق تعالیٰ نے دنیا کے لئے دو لفظ اختیار کئے ہیں، ایک لہو اور ایک لعب، اور دونوں کے مفہوم میں کچھ فرق ہے وہ یہ کہ لہو کہتے ہیں شغل کو اور لعب کہتے ہیں عبث (بے فائدہ عمل) کو، اسی سے معلوم ہوا کہ دنیا ایسی چیز ہے کہ اس میں دو صفتیں ہیں ایک تو لہو ہونے کی کہ یہ لوگوں کو اپنی طرف لہاتی اور مشغول کرتی ہے، دوسرے لعب یعنی عبث ہونے کی کہ اس میں مشغول ہونا عبث یعنی بے نتیجہ (بے فائدہ) ہے، اس پر کوئی لائق اعتبار ثمرہ مرتب نہیں ہوتا جیسے بچوں کا کھیل کہ اس پر بھی کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔

اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا مطلقاً مذموم نہیں بلکہ دنیا وہ مذموم ہے جس میں محض لہو و لعب ہو یعنی جو بے نتیجہ ہو اور اس کا کوئی مفید ثمرہ نہ ہو، اور جس پر ثمرہ مرتب ہو وہ حقیقت میں دنیا ہی نہیں، دنیا اسے نہیں کہتے کہ روپیہ پیسہ وغیرہ، بلکہ دنیا تو درحقیقت لہو و لعب کا نام ہے، جہاں یہ نہ ہو دنیا بھی نہ ہوگی، اور جہاں یہ ہو وہاں دنیا ہوگی، گونا گویا سامان کچھ نہ ہو۔

دنیا کمانا دین کے منافی نہیں اور دین اس میں رکاوٹ نہیں

عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا کہ دیندار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تجارت کا شتکاری وغیرہ سب کو بالائے طاق رکھ دے اور ان کاموں میں مشغول ہو کر دیندار بننا مشکل ہے کیونکہ دین ان کاموں میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے، سو خوب سمجھ لیجئے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے، دین ہرگز دنیا کی فلاح اور ترقی کے لئے مانع اور رکاوٹ نہیں ہے، اور دیندار بن کر بھی تجارت و زراعت ہو سکتی ہے، مگر اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ ذریعہ معاش دین کے خلاف نہ ہو تب تو وہ دنیا نہیں ہے، بلکہ عین دین ہے کیونکہ حدیث میں ہے کسب الحلال فریضة (طبرانی بیہقی) (حلال روزی کمانا فرض ہے) اس صورت میں تجارت و زراعت بھی باعث ثواب ہے بلکہ ان کاموں میں مشغول ہو کر دین کی پابندی کرنا یہ ذکر و شغل سے افضل ہے۔

(غور کرنے کی بات ہے کہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم (حلال کمانے کو) فرض شرعی فرماتے ہیں جس کے ترک پر آخرت کا عذاب ہوگا، الغرض بقدر ضرورت دنیا کمانا ممنوع نہیں البتہ اس کی محبت اور دل میں اس کی وقعت ممنوع ہے۔^۱

حبّ دنیا اور کسبِ دنیا کا فرق

حدیث میں ہے کسب الحلال فریضة بعد الفریضة^۲ (یعنی حلال روزی کمانا فرض ہے) پس حلال روزی کمانا تو فرض ہے، اس سے کوئی نہیں منع کرتا، ہاں دنیا کی محبت سے منع کیا جاتا ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے:

حبّ الدنيا راس کل خطیئة (بیہقی باب الزهد)

^۱ سبیل النجاح، ملحقہ دین و دنیا ص ۶۰۹ طبرانی، بیہقی، کشف الخفا ص ۱۰۲ ج ۲

دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

ایک تو ہے کسبِ دینا (یعنی دنیا کمانا) اور ایک ہے حبِ دنیا (یعنی دنیا کی محبت) کسبِ دنیا تو جائز ہے اور بعض صورتوں میں واجب اور فرض بھی ہے، اور حبِ دنیا حرام ہے، ایک دوسرے کو لازم نہیں۔

دنیا کمانے کے لئے نہ دنیا کی محبت لازم اور نہ دنیا کی محبت کے لئے دنیا کمانا لازم، کیونکہ دنیا کمانا اس وقت بھی ممکن ہے کہ معاش حاصل کرے مگر اس کے ساتھ شغف نہ ہو، اسی طرح دنیا کی محبت اس صورت میں بھی ہو سکتی ہے کہ کمائے بھی نہیں مگر اس کے ساتھ شغف ہو، مثلاً کوئی شخص دنیا نہ کماتا ہو مگر دین سے غافل بھی ہو تو اس کو دنیا کی محبت حاصل اور دنیا کی کمائی حاصل نہیں، کیونکہ دین سے غفلت ہونا یہی حبِ دنیا ہے، اور بعض جگہ دونوں جمع ہو جاتی ہیں یعنی کسبِ دنیا بھی اور حبِ دنیا بھی، مثلاً ایک شخص دنیا بھی کماتا ہے اور دین سے بھی غافل ہے۔

اور بعض جگہ دونوں نہیں ہوتیں نہ کسبِ دنیا نہ حبِ دنیا، مثلاً کوئی شخص دنیا نہیں کماتا اور دین سے غافل نہیں، غرض حبِ دنیا اور کسبِ دنیا ایک دوسرے کو لازم نہیں، بعض لوگ محبت کرنے والے ہیں کمانے والے نہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی کمانے والا ہو اور محبت کرنے والا نہ ہو، سو ہم حبِ دنیا سے منع کرتے ہیں باقی کسبِ دنیا تو خاص قیود کے ساتھ ضروری ہے!۔

حضرات انبیاء علیہم السلام سے دنیوی کاروبار صنعت (حرفت) کھانا پینا نکاح وغیرہ سب ہی کچھ ثابت ہے، غرض دنیوی کاروبار دین کے منافی نہیں بشرطیکہ وہ شریعت کے دائرہ میں ہو۔^۲

۱۔ خیر المال للرجال التبلیغ ص ۶۴ ج ۲ سیرت الصوفیہ ملحقہ حقیقت تصوف و تقویٰ ص ۶۰۶

مال کمانے کا شرعی حکم

آپ یہ سن کر تعجب کریں گے کہ شرعی فتوے سے تجارت کرنا فرض کفایہ ہے، اسی طرح زراعت (کاشتکاری کرنا) بھی فرض کفایہ ہے، کیونکہ زندگی گزارنا ان چیزوں پر موقوف ہے اور ضروریاتِ معاش کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے، اور فرض کفایہ وہ ہے کہ بعض لوگوں کے کر لینے سے بقیہ لوگوں کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جاتا ہے، اس لئے یہ خیال بالکل غلط ہے کہ علماء دنیا کمانے سے منع کرتے ہیں، بھلا فرض کفایہ سے کون منع کر سکتا ہے۔

پس دنیا کی محبت ہونا تو کسی کے لئے جائز نہیں باقی دنیا کمانے میں کس قدر تفصیل ہے، یعنی ایک تو وہ شخص ہے جس کو دنیا کمانا ضروری ہے اور بعض لوگ وہ ہیں جن کے لئے دنیا کمانا ضروری نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس شخص کو نہ کمانے کی حالت میں پریشانی ہو تو پریشانی کی حالت میں دنیا کمانا ضروری ہے، اس کو چاہئے کہ کسب دنیا کرے۔

اور ایک وہ لوگ ہیں کہ ان کے دنیا میں مشغول نہ ہونے سے کسی کا نقصان نہیں نہ ان کا نہ ان کے اہل و عیال کا، سو یہ لوگ اگر دنیا نہ کمائیں تو کچھ حرج نہیں، خصوصاً ایسی حالت میں کہ اگر وہ دنیا میں مشغول ہوں تو دین کی خدمت نہ کر سکیں ان کے لئے دنیا کمانا مناسب نہیں، بشرطیکہ نہ کمانے سے پریشانی میں نہ پڑیں۔!

ضرورت کے وقت رزق حلال کمانا ذکر و شغل سے بھی افضل ہے

دنیا کے کاموں میں مشغول ہو کر دین کی پابندی کرنا یہ ذکر و شغل سے بھی افضل ہے، چنانچہ ایک بزرگ کا انتقال ہوا جو بہت بڑے زاہد اور صوفی تھے انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا کہ حضرت آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟

فرمایا مجھے بخش دیا گیا مگر بھائی ہمارے پڑوس میں جو ایک مزدور بال بچوں والا رہتا تھا وہ ہم سے افضل رہا (یعنی آگے بڑھ گیا) کیونکہ وہ رات دن اپنے بال بچوں کے لئے محنت مزدوری کرتا اور ذکر و شغل کم کرتا تھا مگر ہر وقت اس کی تمنا یہ تھی کہ فرصت ملے تو میری طرح ذکر میں مشغول ہو، حق تعالیٰ نے اس نیت کی برکت سے اس کو وہ درجہ عطا کیا جو مجھے بھی نصیب نہیں ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حلال کمائی کے ساتھ احکام الہیہ کی پابندی کرنا ذکر و شغل سے بعض دفعہ افضل ہو جاتا ہے مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ سب کے لئے یہی طریقہ افضل ہے، اور بس ہر شخص اسی طریقہ کو اختیار کر لے، اصل بات یہ ہے کہ (لوگوں کے حالات) مصلحتیں مختلف ہوتی ہیں، کسی کے لئے ایک طریقہ میں مصلحت ہے اور کسی کے لئے مفسدہ ہے۔

حق تعالیٰ نے ہر ایک کے لئے ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے کہ اس کو اسی سے ترقی اور وصول ہوتا ہے، کسی کو اشتغال بالکسب (یعنی دنیاوی کاموں میں لگے رہنے) سے یہ دولت ملتی ہے اور کسی کو ترک اسباب سے۔

پس جس کے لئے جو طریقہ حق تعالیٰ تجویز کر دیں (یعنی اس کے لئے جیسے حالات پیدا کر دیں) وہ اسی کو اختیار کرے اور اسی پر راضی رہے اس میں اپنی رائے کو دخل نہ دینا چاہئے (بلکہ اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا چاہئے) اگر وہ بے فکری دیں تو بے فکر رہو،

اور اگر فکروں میں مبتلا رکھیں تو اسی میں خوش رہو کیونکہ فکر و تشویش (اور دنیاوی پریشانیوں) سے بھی ترقی ہوتی ہے اور ثواب بڑھتا ہے، طلب اسی کا نام ہے اور اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔

بعض لوگ اپنے لئے ایک خاص حالت تجویز کر لیتے ہیں کہ ہم اس حال میں رہیں تو اچھا ہے پھر جب اس کے خلاف دوسری حالت ہوتی ہے تو گھبرا جاتے ہیں۔
الغرض اگر کوئی شخص تجارت کا شتکار اسی طرح کرے کہ وہ دین کے موافق ہو اور کوئی بات شریعت کے خلاف نہ ہو تو یہ عین ثواب ہے اور اس حالت میں یہ دنیا نہیں بلکہ عین دین ہے، ہاں اگر کوئی بات دین کے خلاف ہو تو البتہ یہ دنیا ہے جو دین کو مضر ہے پس یہ خیال غلط ہے کہ دین کے ساتھ دنیا کے کام نہیں ہو سکتے اور دین کے ساتھ دنیاوی ترقی حاصل نہیں ہو سکتی۔

فصل

دعوت و تبلیغ سے متعلق چند قابل توجہ امور

بعض مبلغین کی بے توجہی و کوتاہی

اس موقع پر ایک غلطی کا بیان کرنا بہت ضروری ہے جو بے علم اپنے وعظوں میں کہا کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی ذات بالکل بے پرواہ ہے وہ چاہے تو ایک نکتہ میں بخش دے اور چاہے تو ایک نکتہ میں جہنم بھیج دے، اور یہ بات اس طرح سے کہتے ہیں جس سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نعوذ باللہ تعالیٰ خدائے تعالیٰ کے یہاں کوئی طے شدہ قانون نہیں بلکہ یوں ہی انا پشناپ بے تکی طور پر جو چاہتے ہیں کر دیتے ہیں، اس قسم کے مضامین سننے سے اکثر لوگ بالکل مایوس ہو جاتے ہیں اور عبادت و ریاضت سب چھوڑ بیٹھتے ہیں اس لئے کہ وہ ڈرتے ہیں کہ خدا جانے کس نکتہ (اور معمولی سی بات) پر اچانک پکڑ ہو جائے اور ساری محنت برباد ہی ہو جائے اسی طرح اگر اکثر لوگ خوب جی بھر کر معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی طے شدہ قانون ہی نہیں ایک نکتے پر عذاب نہ ثواب کا مدار ہے تو اپنی خواہشات کو کیوں ترک کریں اور خواہ مخواہ کی مصیبت کیوں اختیار کریں ممکن ہے اسی میں سے کوئی نکتہ پسند آجائے کہ اس پر نوازش ہو جائے۔

صاحبو! یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے یہاں ہر کام کا ایک قانون مقرر ہے ثواب کا بھی ایک قانون ہے، عذاب کا بھی ایک قانون مقرر ہے، ثواب کا کام تو یہی ہے جو اس آیت میں ارشاد ہوا ہے۔

(پ ۴ آل عمران)

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ الْآيَةَ

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی مغفرت اور اس کی جنت کی طرف دوڑو جس کو متقی لوگوں کے واسطے تیار کیا گیا ہے تو جو شخص اس راستہ پر چلے اور اس مقرر شدہ قانون پر عمل کرے گا وہ مغفرت حاصل کرے گا جو شخص ایسا نہ کرے گا وہ محروم رہے گا، پس معلوم ہوا کہ مغفرت کا حاصل کرنا ہمارے اختیار میں ہے اور اگر ہم چاہیں تو اس کو حاصل کر سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ مغفرت و رحمت کا لینا بالکل ہمارے اختیار میں ہے ورنہ اگر اس کو اختیار میں نہ مانا جائے تو آیت سَادِعُوا كُفْرًا كَيْفَ مَالِ الْيَتَامَىٰ (یعنی ایسی بات کا مکلف بنانا جو انسان کے بس میں نہ ہو) محال اور نص کے خلاف ہے، اور یہاں اس کا حکم ہوا ہے تو ضرور وہ تحت الاختیار ہے (یعنی ہمارے اختیار میں ہے) ۱۱

بعض مبلغین کی نا فہمی و کوتاہی

بعض غیر محقق و اعظین (و مبلغین) کہہ دیا کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رزق کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا --- (اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر بسنے والی مخلوق کے رزق کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے) تو پھر لوگ پریشان کیوں ہوتے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا اس آیت پر ایمان نہیں ہے۔

خوب یاد رکھو! یہ الزام بھی غلط ہے کہ اس آیت پر مسلمانوں کا ایمان نہیں، نہیں ضرور سب کا ایمان ہے اور ایمان ہونے کے باوجود پریشانی بھی اس کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وعدے دو قسم کے ہیں ایک مبہم اور ایک معین، اللہ نے مبہم وعدہ فرمایا ہے کہ رزق ملے گا، لیکن یہ نہیں فرمایا کہ کب ملے گا اور کہاں سے

ملے گا، اور کس طریقے سے ملے گا، اور کتنا ملے گا، تو پریشانی ابہام کی وجہ سے ہے اور ساتھ ہی اس مبہم وعدہ پر پورا یقین ہے کہ وقت مقرر پر ضرور ملے گا۔

بعض واعظین (و مبلغین) اسی الزام کو مؤکد (اور ثابت) کرنے کے لئے ایک مثال دیا کرتے ہیں کہ اگر کوئی دوست دعوت کر دے تو اطمینان ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اطمینان نہیں؟

یہ بھی غلط اور قیاس مع الفارق ہے اور خواجواہ مسلمانوں کو کافر بنانا ہے، بخدا اگر حق تعالیٰ کے کلام مجید میں معین وعدہ ہوتا تو ہر گز ہر گز کسی کو پریشانی نہ ہوتی، اور اگر دعوت میں بھی وقت معین نہ کیا جائے، اور مبہم طور سے کہہ دیا جائے کہ کسی وقت کی دعوت ہے تو وہاں بھی اطمینان نہ ہوتا۔

یہاں اتنی بات فرمائی ہے کہ رزق ملے گا، اس پر ایمان ہے، شریعت میں غلو نہ کرنا چاہئے، جس قدر جو بات ثابت ہو اسی پر رہنا چاہئے۔

اہل کتاب کو ارشاد ہے يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ یعنی اے اہل کتاب دین میں غلو نہ کرو، فروع (احکام) میں ان کے غیر مکلف ہونے کے باوجود ان کو یعنی اہل کتاب کو خطاب کیا گیا ہے تو ہم تو بدرجہ اولیٰ اس حکم کے مکلف ہوں گے۔

ایک اور غلطی

اسی طرح بعض غیر محقق واعظ (و مبلغ) ایسی چھری پھیرتے ہیں کہ مسلمانوں کو کافر بناتے چلے جاتے ہیں، چنانچہ جو لوگ نماز میں سستی کرتے ہیں ان کو منافق کہہ دیتے ہیں اور یہ آیت پڑھ دیتے ہیں وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَىٰ۔

(پ ۵ سورہ نساء)

یہ آیت منافقین کی شکایت میں (نازل ہوئی ہے جس کا مطلب یہ) ہے کہ وہ نماز کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں تو اس حالت میں کھڑے ہوتے ہیں کہ کابل (اور سست) ہوتے ہیں۔

(یاد رکھئے!) منافقین میں کسمل اعتقادی تھا یعنی ان کو فرض نہ سمجھنے کی وجہ سے کسمل تھا اور مسلمانوں میں کسمل (سستی) طبعی ہے، فرض ہونے میں تردد نہیں۔ منافقین میں کسمل کا سبب اعتقاد کی سستی ہے اور مسلمانوں میں کسمل (سستی) کا سبب طبیعت ہے، مسلمان کیسا ہی ضعیف الایمان ہو، اس کو کسمل اعتقادی کبھی نہ ہوگا، تو یہاں مطلق کسمل مراد نہیں، لیکن ہمارے واعظین (و مبلغین) سب کو ایک لکڑی سے ہانک دیتے ہیں۔

وعظ و تبلیغ کا غلط طریقہ

بعض واعظین (و مبلغین) سب سے ایک طرف سے ایک ہی طرح کی بات کہنا شروع کر دیتے ہیں، ان کے تمام بیان میں ترہیب ہی ترہیب (خوف اور ڈروالے ہی مضامین) ہوتے ہیں انہوں نے ترغیب کا سبق ہی نہیں پڑھا، ان کا وعظ یہ ہوتا ہے کہ تمہاری نماز کچھ نہیں، تمہارا روزہ کچھ نہیں، تمہارا حج بیکار، تمہاری زکوٰۃ فضول، اس کا اثر یہ نہیں ہوتا کہ سننے والے روزہ و نماز اور اعمال کی اصلاح کرنے لگیں، بلکہ ہمت ہار کر جو کچھ برا بھلا عمل کرتے تھے اس کو بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

ان واعظوں کے بیان کا یہی اثر ہوتا ہے جو محض ترہیب ہی ترہیب (ڈرانا ہی ڈرانا) بگھارتے ہیں اور اس کی تائید میں پرانے بزرگوں کے مجاہدوں کے قصے بیان کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے پانی پینا چھوڑ دیا تھا، فلاں بزرگ نے جوتہ پہننا چھوڑ

دیا تھا، فلاں بزرگ نے تمام عمر میں اتنے جو کھائے تھے، تم کیا کر سکتے ہو، تمہاری کیا نماز ہے، تمہارا کیا روزہ ہے، تمہارا کیا ذکر ہے، کیا مشغل ہے؟

بس سننے والے سمجھ لیتے ہیں کہ ہم تو ایسے ہونے سے رہے، اور بلا ایسے ہوئے کسی شمار میں نہیں لہذا قصہ ختم کر دو، کچھ بھی نہ کرو۔

خلاصہ یہ کہ مخاطبین کی رعایت کرنا نہایت ضروری اور لازم ہے اور یہ طریقہ مفید نہیں کہ جب بیان ہو تو ترہیب ہی کا ہو، جیسے آج کل کے واعظین (و مبلغین) کی عادت ہے۔

عورتوں کے مجمع میں وعظ و تبلیغ کرنے میں بے احتیاطی

اگر عورتوں کو ہمیشہ دوزخی دوزخی کہا جائے گا تو دو خرابیاں ہوں گی یا تو وہ نماز روزہ بالکل ہی چھوڑ دیں گی یا کریں گی مگر دل بجھا ہوا رہے گا حتیٰ کہ مایوس ہو جائیں گی اور خدا تعالیٰ سے مایوسی کفر ہے، یہ عجیب بات ہے کہ واعظ صاحب ممبر پر بیٹھتے تو ہیں تقویٰ سکھلانے کو اور طرز بیان ایسا ہے جس سے ایک مومن کو کافر یا قریب بکفر بنا دیا، اس کا دل شکستہ کر دیا، حتیٰ کہ وہ بے چاری اپنے آپ کو خدا کی رحمت سے محروم سمجھنے لگتی ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ عورتوں کو بات بات پر دوزخی کیوں کہا جاتا ہے، کیا وہ نماز نہیں پڑھتیں؟ کیا وہ روزہ نہیں رکھتیں؟ روزہ رکھنے میں تو وہ مردوں سے بھی آگے ہیں، غرض جس طرح مرد عمل کرتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی کرتی ہیں، اگر ان کے اعمال کو بیکار کہا جاتا ہے تو کیا مردوں کے سب اعمال باکار ہیں اور حقیقت پہ نظر کی جائے تو عمل تو سب ہی کے بیکار ہیں، حق تعالیٰ کی شان کے موافق کوئی بھی عمل نہیں کر سکتا، پھر کسی فریق کو کیا حق ہے کہ اپنے اعمال کو باکار سمجھے اور دوسرے کے اعمال کو بیکار، اگر ایک فریق کو حق تعالیٰ کی رحمت سے بیکار اعمال قبول ہو جانے کی امید ہو سکتی ہے تو دوسرے کو کیوں نہیں ہو سکتی؟

۱۔ وعظ کساء کساء النساء ملحقہ تبلیغ ص ۱۹ ج ۷

اول تو نجات کا اصلی مدار رحمت پر ہے، مگر عمل کو جتنا دخل ہے عورتیں بھی اس سے محروم نہیں، عورتیں بھی عمل کر سکتی ہیں اور کرتی ہیں، سب کو ایک لکڑی سے ہانکنا کیسے درست ہو سکتا ہے، واعظوں (اور مبلغوں) کی مہربانی سے عورتوں کے ذہن میں یہ بات جم گئی ہے کہ ہمارے اعمال بالکل نکلے ہیں اور ہمارا انجام دوزخ کے سوا کچھ بھی نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمت ہار دی اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ بھی نہیں کرتیں، میں کہتا ہوں کہ یہ بڑی غلطی ہے خدا تعالیٰ کی رحمت تنگ نہیں ہے۔

نہ کسی کے ساتھ اس کو خصوصیت ہے تمہاری نماز لنگڑی لنجی کیسی بھی سہی اگر مردوں کی نماز حق تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر رکھتی ہے تو تمہاری نماز بھی وہی قدر رکھتی ہے۔

عورتو! ہمت نہ ہارو ایسے واعظوں کے کہنے کو مت سنو، حق تعالیٰ کی رحمت تو تم پر اسی وقت متوجہ ہوگئی جب تم کو نماز کی توفیق دے رہا تھا۔!

ہمارے اعمال بھی قابل قدر ہیں

تمہارا یہ کہنا کہ ہماری نماز ہی کیا؟ یہ قول بہت اچھا ہے مگر اس میں دو حیثیتیں ہیں ایک تو یہ کہ یہ ہمارا فعل ہے اس معنی کرتو یہ کہنا بالکل صحیح ہے کیوں کہ اپنی چیز کو ہمیشہ گھٹیا ہی سمجھنا چاہئے، اور ایک حیثیت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو توفیق دی ہے اس معنی کر یہ قول صحیح نہیں، کیوں کہ اس صورت میں وہ خدا تعالیٰ کا عطیہ ہے، اور خدا تعالیٰ کی نعمت کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے، نماز لنگڑی لنجی ہو، اس حیثیت سے کہ عطیہ خداوندی ہے، بہت بڑی نعمت ہے، اگر اس کی بھی توفیق نہ ہوتی تو کیا کرتے۔

اگر ایک شخص کو روکھی روٹی ملے تو اس کو ناک چڑھا کر کھانا کفرانِ نعمت (یعنی نعمت کی ناشکری اور ناقدری) ہے کیوں کہ اگر یہ بھی نہ ملتی تو اس کا کیا بس تھا، اب

وعظوں نے ایک حیثیت کو غائب کر دیا ہے، ایک پر نظر رکھی، لہذا جب بیان کریں گے تو یہی کہ تمہاری نماز کیا، اور تمہارا روزہ کیا، واعظ صاحب سے کوئی پوچھے کہ آپ کی نماز میں بھی دو حیثیتیں ہیں، اس میں بھی اسی ایک حیثیت پر نظر کیوں نہیں رکھتے۔؟!

تقویٰ کے متعلق غلو اور بعض مبلغین کی سخت غلطی

بہت سے لوگ تقویٰ میں مبالغہ کرتے ہیں اور اسی کو استقامت سمجھتے ہیں اور اسی کو محمود سمجھتے ہیں اور بظاہر یہ محمود معلوم بھی ہوتا ہے مگر یہ محمود نہیں کیونکہ مبالغہ کی وجہ سے کسی وقت یہ شخص مایوس بھی ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کے نزدیک تقویٰ کا جو اعلیٰ درجہ ہے اس کا حاصل ہونا دشوار ہے اور ادنیٰ درجہ کو یہ کافی نہیں سمجھتا اس لئے اخیر میں اس کو مایوسی ہو جاتی ہے جس کا انجام تعطل (یعنی کام کو چھوڑ بیٹھنا) ہے۔

مثلاً بعض واعظوں سے لوگوں نے تقویٰ کے قصہ سنے ہوں گے اور ہم نے بھی بچپن میں ایسے قصے دیکھے ہیں ایک شخص کا قصہ ہے کہ وہ طعام حلال کی تلاش میں کسی بزرگ کے پاس آیا اور کہا میں آپ کے پاس طعام حلال کی طلب میں آیا ہوں، یہ سن کر وہ بزرگ رونے لگے اور کہا کہ اب تک تو میرا کسب (ذریعہ معاش) حلال تھا لیکن اب نہیں رہا ایک دن میرے بیل دوسرے شخص کے کھیت میں چلے گئے تھے، اس کی مٹی بیلوں کے پیر کو لگ گئی اور میرے کھیت میں مل گئی، اب مجھے شبہ ہو گیا ہے۔

ایسے قصے سن کر لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ بس تقویٰ بہت دشوار ہے، حالانکہ یہ قصہ شریعت کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی، عقل کے خلاف تو اس لئے کہ بیل کے پیر کو جو مٹی لگ جاتی ہے وہ تھوڑی دور چلنے سے جھڑ جاتی ہے تو کیا یہ ضروری ہے کہ دوسرے کے کھیت کی مٹی اس کے کھیت میں مل گئی ہو، پھر اگر دوسرے کے کھیت کی مٹی

ان کے کھیت میں مل گئی ہو تو ایسے ہی ان کے کھیت کی مٹی اس کے کھیت میں جا ملی ہوگی تو برابر برابر معاملہ ہو گیا، پھر اگر اتنی مٹی سے شبہ ہو جایا کرے تو چاہئے کہ جانوروں کو ہر وقت بند رکھا جائے، کہیں چلنے پھرنے نہ دیا جائے حالانکہ جانور بند نہیں رہ سکتے۔

اور شریعت کے خلاف اس لئے ہے کہ حاملان شریعت نے ایسے مبالغہ کو قابل تعزیر (مستحق سزا) سمجھا ہے، مثلاً ایک دانہ گندم (گیہوں) کی تعریف و تشہیر کرتا پھرے کہ یہ دانہ کس کا ہے؟ تو فقہاء کہتے ہیں کہ اِنَّهٗ يُعْزَّرُ کہ اس شخص کو سزائے تعزیر دی جائے کیونکہ شریعت نے اس قلیل مقدار کو قابل تعریف اور داخل لفظ نہیں بنایا کیونکہ یہ مال نہیں، اور یہ شخص اس کو لفظ بناتا ہے گویا اپنی طرف سے نئی شریعت ایجاد کرتا ہے۔

اسی طرح اگر بیل کے پیر کو مٹی لگ جائے تو کوئی قیمتی چیز نہیں چنانچہ اتنی مٹی کی بیع جائز نہیں اور جب قیمتی نہیں تو اس کا ضمان بھی نہیں، پھر اس کے کھیت میں ملنے سے شبہ کیوں ہو گیا؟ اور اگر بالفرض ضمان بھی لازم ہوتا تو اس کا ضمان ادا کر دینا کافی تھا، تم نے اپنے کھیت میں سے اتنی ہی مٹی دوسرے کے کھیت میں ڈال دی ہوتی، اس سے کھیت کا غلہ اور پیداوار کیوں حرام ہو گیا؟

پس یا تو یہ قصہ موضوع (گڑھا ہوا) ہے یا یہ لوگ اہل حال ہیں جو معذور ہیں یا وہ شریعت سے ناواقف ہوں گے اس لئے ایسے اقوال حجت نہیں اور واعظوں کو ایسے قصے بیان کرنا جائز نہیں۔

اس قسم کے قصے سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تقویٰ بہت دشوار ہے اور جب تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ خالص حلال نہیں مل سکتا تو جب حرام کھانے سے مفر نہیں تو تھوڑا کھایا تب کیا، اور زیادہ کھایا تب کیا بس اب بے احتیاطی شروع ہو گئی، اول ایک بے احتیاطی ہوئی پھر دوسری پھر تیسری، تو پہلے شبہات سے بچنے کا اہتمام تھا، اب حرام صریح سے باک نہیں، یہ انجام ہے مبالغہ اور غلو کا، اس لئے شریعت نے غلو سے منع کیا

ہے قرآن میں بھی امر ہے لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ یعنی اپنے دین میں غلو نہ کرو اور احادیث میں بھی اس کی سخت ممانعت ہے مَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللَّهُ عَلَيْهِ ۱۔
کیونکہ اس میں حدود سے تجاوز ہے اور حدود سے تجاوز کرنا طاعت نہیں بلکہ معصیت ہے، شریعت نے ہر چیز کے حدود مقرر کئے ہیں۔

ایسا تقویٰ نہ اختیار کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ جاوے یعنی ایسا غلو نہ کرو کہ ایسا تقویٰ کرنے لگو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ویسا تقویٰ نہ کیا ہو، حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور العمل تو یہ آیا ہے کہ ماخیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین امرین الا اختار ایسرهما لم یکن اثما الخ - ۲

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک امر میں دو راستوں کا اختیار دیا جاتا تھا تو آپ سہل کو اختیار فرماتے تھے، یعنی طرق مقاصد میں (یعنی اصل مقصود کے ذرائع اور وسائل میں) مشقت کو اختیار نہ فرماتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ نفس پر مشقت ڈالنا مطلقاً محمود نہیں۔ ۳

یہ وہ زمانہ ہے کہ آج کل مشتبہ چیز کو حلال کیا جاتا ہے نہ کہ حلال کو بھی اس میں شبہات نکال کر حرام کر دیا جائے، بس یہ معیار یاد رکھو! جس کو فقہی فتویٰ حلال کہہ دے بس وہ حلال ہے۔ ۴

۱۔ المستدرک علی الصحیحین للحاکم حدیث ۲۳۴۵

۲۔ مسند احمد، سنن کبریٰ بیہقی، جامع الاصول ص ۲۴۸ ج ۱۱

۳۔ الاستقامت لمحمد دعوت و تبلیغ ص ۲۲۰

۴۔ التبلیغ ص ۶۷ ج ۱۰

فصل

علماء کی اتباع اور ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کی ضرورت

اس وقت جو شخص اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہے اور خدا کو راضی کرنا چاہے اس کے لئے اتباع علماء کے سواء کوئی صورت نہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے، گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی حیات ہی ہے، مگر حیات صوریہ کے مقابلہ میں اس کو وفات کہنا ضرور صحیح ہے، البتہ اللہ تعالیٰ حی لا یموت ہے، مگر اللہ تعالیٰ سے انبیاء کے علاوہ بلا واسطہ کوئی مستفید نہیں ہو سکتا، اور ہم تو صحابہ کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بلا واسطہ مستفید نہیں ہو سکتے، تو اب بجز اتباع علماء کے لئے دین پر چلنے کی کوئی صورت نہیں رہی۔

مگر افسوس ہے کہ بہت سے لوگوں کو آج کل اتباع علماء سے عار آتی ہے، بعض لوگوں کو اتباع ائمہ (یعنی مجتہدین کی اتباع) سے بھی عار آتی ہے۔
آج کل عوام کی یہ حالت ہے کہ علماء کو اول تو آگے کرتے ہی نہیں۔

صاحبو! اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو علماء کی اتباع کرو، ان کو متبوع بناؤ، تابع نہ بناؤ، ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ ان میں انتخاب کر لو، جو ناقابل ہوں ان کا اتباع نہ کرو اور جو قابل ہوں ان کو مقتدا بناؤ کیونکہ محض کتابیں پڑھ لینے سے آدمی عالم نہیں ہو جاتا، بلکہ علم دوسری چیز کا نام ہے، یعنی صحبت الی اللہ۔^۱

۱۔ اتباع علماء ص ۳۲۸ ۲۔ التواصی بالحق ماحقہ دعوت و تبلیغ ص ۱۹۲

عالم حقانی کی شان

یاد رکھو! جو عالم حقانی ہو گا وہ دین کے معاملہ میں کسی کی رعایت ہرگز نہ کرے گا نہ کسی کی موافقت و مخالفت کی پرواہ کرے گا، وہ خدا کی رضا کے سامنے تمام دنیا پر لات مار دے گا، اگر سارا عالم بھی ان کے خلاف ہو جائے تب بھی وہ شریعت سے تجاوز نہ کرے گا، چاہے اس میں اس کی عزت ہو یا ذلت ہو۔

علماء کی ماتحتی میں کام کرنے کی ضرورت

جو علماء احکام کے جاننے والے ہیں، اور بے غرض ہیں ان کو مقتدا بناؤ، ان کو تابع نہ بناؤ، تبلیغ کے کام میں ان کو آگے کرو، تم ساتھ ساتھ رہو، اور ان کے مشورہ سے ہر کام کرو، پھر کبھی تو وہ خود (تبلیغ میں) جائیں گے اور کبھی وہ خود نہ جائیں گے، بلکہ تم کو بھیجیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو غزوہ میں خود تشریف لے جاتے تھے اور کبھی ایک شخص کو سردار (امیر) بنا کر چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھیجتے تھے، یہ نظیر ہے (شریعت کے مطابق) کام کرنے کی۔^۱

یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ علماء خود ہی تبلیغ کے لئے جائیں، جیسا کہ عوام نے سمجھ رکھا ہے کہ علماء کے ذمہ ہے کہ وہ تمام ملک کا اور تمام دیہاتوں کا دورہ کریں، سو یاد رکھو اس طرح کام نہیں ہو سکتا، حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرْنَا مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ

(سورہ توبہ پ ۱۱)

لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ۔

۱۔ التواصی بالحق ص ۱۹۳ ۲۔ التواصی بالحق ص ۱۹۵

یعنی جہاد کے لئے سب مسلمانوں کو نہیں جانا چاہئے بلکہ ایک جماعت جائے تاکہ باقی لوگ دین کا علم حاصل کریں، شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ سارے آدمی ایک ہی طرف نہ جھکیں، بلکہ ایک بڑے فرقہ (بڑی جماعت) میں سے چھوٹی سی جماعت اس کام کے لئے جائے، باقی لوگ فقہ اور دین حاصل کریں۔!

علماء مبلغین و مصلحین کی سختی برداشت کرنا

مجھے عوام سے شکایت ہے کہ اگر علماء ان کے ساتھ سختی کرتے ہیں تو ان کو اس سے ناگواری کیوں ہوتی ہے؟ آخر وہ اطباء (ڈاکٹروں) کے نخرے بھی اٹھاتے ہیں، اور ان کی سختی کو ہر طرح برداشت کرتے ہیں، کیوں؟ محض اس لئے کہ صحت مطلوب ہے اور مطلوب کو حاصل کرنے کے لئے سختی اور دشواری سب کچھ گوارا ہوا کرتی ہے، پھر کیا دین کی صحت آپ کو مطلوب نہیں؟ اگر مطلوب ہے تو اطباء باطن (علماء و مشائخ) کی سختی اور دشواری بھی ناگوار نہ ہونی چاہئے۔

صاحبو! اگر کسی کی اشرفی (سونے کا پیسہ) کھو گئی ہو، اور ایک آدمی کے پاس اس کا پتہ ملے اور تم اس سے مانگنے جاؤ، اور وہ زور سے اس کو تم پر دے مارے کہ جالے جا، تو اس سختی کی وجہ سے اس اشرفی کو آپ یہ کہہ کر دوبارہ پھینک دیں گے کہ اس طرح دینے سے ہم نہیں لیں گے؟ پھر اگر کوئی اچھی بات بتلا دے، گسختی ہی سے کہتا ہو، اس پر آپ ناک منہ کیوں چڑھاتے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اشرفی تو مطلوب ہے، دین نہیں مطلوب۔

صاحبو! اگر آپ کسی حاکم کے پاس جائیں اور وہ بات چیت میں سختی کرے مگر فیصلہ اس کے موافق کر دے تو تم اس کی تعریف کرو گے یا شکایت؟

مشاہدہ ہے کہ اس صورت میں حاکم کی بہت تعریف کی جاتی ہے اور اس کی سختی میں حکمتیں بیان کی جاتی ہیں کہ حاکم نے ہمارے ساتھ ابتداء میں سختی کا برتاؤ اس لئے کیا، تاکہ کسی کو طرفداری کی رعایت کا وہم نہ ہو۔

اے اللہ ایک دنیا دار حاکم کے افعال میں تو حکمت ہو، اور خادمان دین کے افعال میں حکمت نہ ہو، یہ کیسی بے انصافی ہے، پھر اگر کوئی پیر (مصلح مبلغ) تمہارے ساتھ سختی کرے مگر اس کے ہاتھ سے تمہارا کام بن جائے تو ہزار بار مبارک ہو۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے باپ اپنے بچے پر سختی کرتا ہے کہ یہاں نہ بیٹھو فلاں فلاں آدمیوں سے نہ ملو، یہ چیز نہ کھاؤ، وقت پر پڑھنے جاؤ، اور وہ کبھی اس کے خلاف کرتا ہے تو باپ بیٹے کو سزا دیتا ہے، مگر اس میں کوئی بھی باپ کو ظالم نہیں کہتا، بلکہ اس سختی کو بیٹے کے حق میں شفقت و رحمت سمجھتے ہیں، پھر مشائخ کی سختی کو بھی شفقت پر کیوں نہیں محمول کیا جاتا؟

(الغرض) علماء اگر سختی کریں تو آپ کو شکایت اور ناگواری کا حق نہیں، کیونکہ تم دنیا کے واسطے اس سے بھی زیادہ سختی کو خوشی سے برداشت کرتے ہو، پھر دین کے واسطے کیوں نہیں برداشت کرتے؟ ہاں اگر تم دنیا کے واسطے بھی کسی حاکم اور طبیب اور وکیل وغیرہ کی سختی کو برداشت نہیں کیا کرتے تو پھر تمہاری شکایت کسی درجہ میں صحیح ہوتی۔

علماء کا ادب کیوں ضروری ہے؟

علماء کا ادب بہت ضروری ہے، حدیث میں ہے مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوقِرْ كَبِيرَنَا وَلَمْ يُجِبَلْ عَالِمَنَا فَلَيْسَ مِنَّا ۱

۱۔ العبد الربانی ملحقہ حقوق و فرائض ص ۸۰، ۷۹

۲۔ مسند احمد بالفاظ مختلفہ عن عبادہ بن عبادہ بن الصامت حدیث نمبر ۵۵۷۷۲ الجامع الکبیر للسیوطی ۱۳۵۷

(ترجمہ) یعنی جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے، اور بڑے کی تعظیم نہ کرے اور عالم کا اکرام نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں، یہ کس قدر سخت وعید ہے۔
 علماء کا ادب اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ وارثان رسول ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ... وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالِكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ... لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا..... وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش قدمی نہ کرو، اور آپ کے سامنے زور سے چلا چلا کر باتیں نہ کرو، اور رسول کو اس طرح نہ پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارا کرتے ہو، بلکہ ادب سے بات کرو، اور آپ کے پاس مجمع میں بیٹھے ہوئے ہو، تو بغیر اجازت کے وہاں سے نہ اٹھو۔

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حقوق بیان کئے گئے ہیں حضور کے بعد آپ کے خلفاء اور وارثان علم (یعنی علماء و مشائخ) کے بھی وہی حقوق ہیں، کیونکہ تخصیص کی کوئی دلیل موجود نہیں، بلکہ جس حدیث میں تجلیل (یعنی علماء کی تعظیم) کی تاکید ہے وہ ان احکام کے عموم پر دال ہے، اسی واسطے سلف نے وارثان رسول کا وہی ادب کیا ہے جو ان آیات میں حضور کے لئے مذکور ہے۔

علماء نے تصریح کی ہے کہ جو حضرات دین کی بزرگی رکھتے ہیں ان کے ساتھ بھی ادب برتنا چاہئے گو سوء ادب (بے ادبی) کا وبال اس درجہ کا نہ ہو، لیکن تاڈی بلا ضرورت (تکلیف دینا) حرام ہے۔

۱۔ التبلیغ ص ۱۴۰ ج ۱۲ ۲۔ وعظ کوثر العلوم ما حقہ التبلیغ ص ۱۴۱ ج ۱۲ ۳۔ بیان القرآن ص ۴۱ ج ۱۱

علماء پر بے جا الزام

دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے سب کا الزام علماء پر ہے، سلطنتِ اسلام پر کوئی بلا آئے تو علماء کی بدولت، ہندوستان کے مسلمانوں پر کوئی وبال آئے تو علماء کی بدولت، مسلمانوں میں افلاس آئے تو علماء کی بدولت کہ یہ سود کو حلال نہیں کرتے، نو مسلم مرتد ہو تو اس کا الزام بھی مولویوں پر کہ انہوں نے تبلیغ نہیں کی، ان نو مسلموں کی خبر نہیں لی، --- سارا الزام مولویوں ہی کو دیا جاتا ہے کہ سلطنتِ اسلام کا زوال بھی انہیں کی غفلت کی وجہ سے ہوا، اور فتنہ ارتداد بھی انہیں کی غفلت سے ہوا، آگے یہ بھی کہہ دینا کہ کسی کو دست آئیں تو اس میں بھی علماء کا قصور نکال دینا، اور کسی کو دق (ٹی بی) ہو تو اس میں بھی علماء کی خطا کہہ دینا، کسی جگہ طاعون اور ہیضہ ہو، تو اس میں بھی علماء کی خطا بتلا دینا، کیا یہی انصاف ہے؟

مجھے اس سے انکار نہیں کہ علماء نے بھی اس معاملہ میں کوتاہی کی ہے، مگر یہ میں تسلیم نہیں کرتا کہ سارا الزام انہی کو دیا جائے، اور سارا قصور انہی کا بتلایا جائے، آخر آپ کے ذمہ بھی کچھ تھا یا نہیں؟

میں بتلا چکا ہوں کہ تبلیغ صرف مولویوں کے ذمہ نہیں بلکہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے، البتہ تبلیغ عام بطور وعظ کے علماء کے ساتھ خاص ہے، باقی تبلیغ خاص انفرادی طور پر ہر شخص کے ذمہ ہے۔

اور تبلیغ عام جو علماء کے ساتھ خاص ہے تو اس میں بھی عام مسلمانوں کے ذمہ یہ کام ہے کہ وہ علماء کے لئے اس کے اسباب مہیا کریں، مثلاً چندہ کر کے سفر خرچ ان کو دیا جائے تاکہ جہاں تبلیغ کی ضرورت ہو وہاں جائیں اور سفر خرچ لے کر ریل وغیرہ کے کرایہ سے بے فکر ہو جائیں، کیونکہ علماء کے پاس تبلیغ کے لئے زبان تو ہے مگر کرایہ وغیرہ

کے لئے روپیہ تو نہیں ہے، اور ان کے ذمہ یہ کام بھی نہیں ہے کہ وہ آپ سے بھیک مانگتے پھریں کہ ہم کو روپیہ دو تا کہ تبلیغ کے لئے سفر کریں۔

یہ کام عام مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے کہ وہ خود چندہ جمع کر کے علماء کو آگے کریں اور ان سے عرض کریں کہ یہ روپیہ ہے اور یہ کام ہے جس طرح آپ کہیں اس طرح کام شروع کیا جائے۔

ایک صاحب مجھ سے ملے اور کہنے لگے، ارے صاحب! یہ ساری خطا مولویوں کی ہے کہ انہوں نے ان لوگوں کی کبھی خبر نہ لی۔

میں نے کہا کہ پہلے تو تمہاری خطا ہے کہ تم نے سرمایہ جمع کر کے ان کو نہیں دیا، آخر مولوی کام کریں تو بیچارے کہاں سے کریں، اس میں سرمایہ ہی تو بلی کا میاؤں ہے۔

لیکن عوام کے ساتھ اس میں تھوڑا سا قصور مبلغین کا بھی ہے، وہ یہ کہ جہاں سرمایہ کا انتظام بھی ہوا ہے وہاں بے دریغ روپیہ اڑا ڈالتے ہیں، مثلاً خود اپنے پیسے سے چاہے تھرڈ کلاس میں بھی سفر نہ کریں گے، مگر چندہ کا پیسہ ایسا مفت کا ہے کہ اب سیکینڈ (اور فرسٹ کلاس) سے کم میں نہیں بیٹھ سکتے۔ (یہ اس زمانہ کی بات ہے جب سفر میں اتنی زیادہ بھیڑ اور مشقت نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی اتنے خطرات و حادثات ہوتے تھے) بہر حال ان سب کو تا ہیوں سے احتیاط کر کے سرمایہ ضرور جمع کرو سرمایہ ہی اصلی چیز ہے اس کے بغیر نری تجویزیں بیکار ہیں۔

مولویوں اور اہل علم پر تبلیغ نہ کرنے کا اعتراض

اور اس کا تحقیقی جائزہ

ایک اعتراض مولویوں (اور اہل علم) پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ مخدوم بنے ہوئے گھروں اور مدرسوں، اور مسجدوں میں بیٹھے رہتے ہیں، اور قوم کی تباہی پر ان کو رحم نہیں آتا، اور گھروں سے نکل کر گمراہوں کی دستگیری (اور ان کی ہدایت کی فکر) نہیں کرتے، لوگ بگڑتے چلے جاتے ہیں، کوئی اسلام کو چھوڑ رہا ہے، کوئی احکام سے بالکل بے خبر ہے لیکن ان کو کچھ پرواہ نہیں، حتیٰ کہ بعض لوگ تو بلانے سے بھی نہیں آتے اور آرام میں خلل نہیں ڈالتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اس وقت کسی درجہ میں ان لوگوں کے حق میں صحیح ہو سکتا تھا کہ تبلیغ اسلام و احکام اب بھی فرض ہوتی تب پیشک ضروری تھا کہ گھر گھر شہر شہر سفر کر کے جاتے یا کسی کو بھیجتے اور لوگوں کو احکام سناتے، لیکن اب تو اسلام و احکام شرقاً غرباً (دنیا کے کونے کونے میں) مشتہر ہو چکے ہیں، کوئی شخص ایسا نہیں جس کے کانوں میں اصولاً و فروعاً اسلام نہ پہنچ چکا ہو اور جو لوگ کسی قدر لکھے پڑھے ہیں ان کو تو بذریعہ رسائل مختلف مذاہب تک کا بھی علم ہے (اور آج کل تو انٹرنیٹ کے ذریعہ سارے عالم میں اسلامی عقائد و احکام شائع ہو چکے ہیں)

اور اگر کسی مقام پر فرضاً کوئی احکام کا بتلانے والا نہ بھی پہنچا ہو، تاہم اس مقام کے لوگ اگر کل نہیں تو بعض سہمی دوسرے مقامات پر پہنچے ہیں اور احکام سنے ہیں اور ان بعض سے دوسرے بعض کو پہنچے ہیں۔

بہر حال جن مقامات کا ہم کو علم ہے ان میں سے کوئی مقام ایسا نہیں جہاں اسلام

واحکام نہ پہنچے ہوں، اور فقہاء نے کتاب السیر میں تصریح فرمادی ہے اور عقل میں بھی یہ بات آتی ہے کہ جہاں اسلام واحکام پہنچ گئے ہوں وہاں تبلیغ واجب نہیں البتہ مندوب ہے۔ (حقوق العلم)

۱۔ مذاہب اربعہ کے فقہاء مجتہدین اور محدثین نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔
 شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب اپنی مشہور کتاب ”وجز المساک شرح موطا مالک“ میں نقل فرماتے ہیں:

اما اليوم فقد انتشرت الدعوة فاستغنى بذلك عن الدعاء ،
 قال احمد كان النبي صلى الله عليه وسلم يدعو الى الاسلام قبل ان يحارب
 حتى أظهر الله الدين وعلا الاسلام ، ولا اعرف اليوم احداً يدعى ، قد بلغت الدعوة كل
 احد ، فالروم قد بلغتهم الدعوة ، وعلموا مايراد منهم ، وانما كانت الدعوة في أول
 الاسلام ، وان دعا فلا باء س -

قال الموفق قوله في اهل الكتاب والمجوس لا يدعون فهو على عمومہ لان
 الدعوة قد انتشرت وعمت فلم يبق منهم من لم تبلغه الدعوة الا نادراً بعيداً ، واما قوله
 يدعى عبدة الاوثان فليس بعام ، فان من بلغته الدعوة منهم لا يدعون ، وان وجد منهم من
 لم تبلغه الدعوة دعى قبل القتال -

امام مالک کے شاگرد ابن حبيب مالکی نقل فرماتے ہیں:

(۲) روى ابن حبيب عن المدنيين من اصحاب مالک انما الدعوة اليوم فيمن
 لم يبلغه الاسلام ولا يعلم مايقاتل ، واما من بلغه الاسلام وعلم مايدعى اليه وحارب
 وحارب كالروم والافرنج ممن داني ارض الاسلام وعرفه ، فالدعوة فيهم ساقطة -

(۳) امام نووی شافعی شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں:

وفى هذه المسئلة ثلثة مذاهب ، احداها يجب الانذار مطلقاً ، وهذا ضعيف ،
 والثانى لا يجب مطلقاً وهذا اضعف منه او باطل ، والثالث يجب ان لم تبلغهم الدعوة
 ولا يجب ان بلغتهم لكن يستحب وهذا هو الصحيح ، وبه قال نافع مولى ابن
 عمرو والحسن البصرى ، والثورى ، والليث ، والشافعى ، وابوثور ، وابن المنذر ،
 والجمهور ، قال ابن المنذر وهو قول اكثر اهل العلم ، قد تظاهرت الاحاديث الصحيحة

علی معناه فمنها هذا الحديث وحديث قتل كعب بن الاشرف وحديث قتل ابي الحقيق۔ (شرح مسلم للنووی ص ۸۱ ج ۲)
حافظ ابن حجر فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں:

وذهب الأكثر الى ان ذالك كان في بدء الامر قبل انتشار دعوة الاسلام، فان وجد من لم تبلغه الدعوة لم يقاتل حتى يدعى نص عليه الشافعي۔ (فتح الباری ص ۱۰۸ ج ۶)
(۴) علامہ ابن ہمام حنفی فتح القدری شرح ہدایہ میں اور حضرت ملا علی قاری حنفی شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

وفى المحيط بلوغ الدعوة حقيقة او حكماً، فان استفاض شرقاً وغرباً انهم الى ماذا يدعون، وعلى ماذا يقاتلون فاقيم ظهورها مقامها (ای مقام الدعوة) اھ۔
ولاشك ان فى بلاد الله من لاشعور له، بهذ الأمر، فيجب ان المدار عليه ظن ان هولاء لم تبلغهم الدعوة، فاذا كانت بلغتهم لاتجب ولكن يستحب،... وقيدهذا لاستحباب بان لايتضمن ضرراً بان يعلم بانهم بال دعوة يستعدون او يحتالون او يتحصنون، وغلبة الظن فى ذالك تظهر من حالهم كالعلم، بل هو المراد اذ حقيقته، يتعذر الوقوف عليها۔
(فتح القدری شرح ہدایہ ص ۱۹۶ ج ۵، مرقاة شرح مشکوٰۃ ص ۴۳۲ ج ۷، کتاب الجہاد باب الكتاب الى الكفار ودعائهم الى الاسلام)

فائدہ: مذکورہ بالا عبارات اور ائمہ اربعہ کے مسالک سے یہ فیصلہ کرنا بھی آسان ہے کہ موجودہ زمانہ میں غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے یا نہیں، اور اس دعوت کے نہ دینے سے ہم گنہگار ہوں گے یا نہیں، (اس کی کچھ تفصیل آگے بھی آرہی ہے)۔

البتہ دوسرے پہلو سے علماء اسلام پر یہ بات واجب ہے کہ اسلام کے تعلق سے غیر مسلموں کو جو بھی غلط فہمیاں ان کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ہیں، یا دوسرے لوگوں نے اسلام کی غلط تصویر پیش کی جس کی وجہ سے وہ اسلام سے صحیح طور پر متعارف نہیں ہو سکے کہ اسلام کیا چاہتا ہے اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کیا ہیں، ایسی صورت میں متکلمین اسلام پر واجب ہوگا کہ اسلام پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیں، اسلام کی صحیح تصویر پیش کریں اور اسلام کا صحیح تعارف کرائیں، اور یہ چیز علم کلام کے دائرہ میں آتی ہے، اور اس پہلو سے علماء اسلام پر غیر مسلموں کو تبلیغ کرنا یعنی اسلام کا صحیح تعارف کرا کر ان کی غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو دور کرنا واجب ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (مرتب)

پس جب تبلیغ واجب نہیں تو اس کے ترک پر ملامت کیسی؟ اور اگر ترک مستحب پر یہ الزام ہے تو وہ محل الزام نہیں۔

دوسرے اس سے قطع نظر اگر ان لوگوں کو کوئی ضروری شغل نہ ہو تو کچھ گنجائش بھی ہے، لیکن جو لوگ اسلام کی دوسری خدمت کر رہے ہیں وہ بھی جب ضروری کاموں میں لگ رہے ہیں تو اس شبہ کی گنجائش کہاں ہے۔

دوسرے جس طرح علماء کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ ان گمراہوں کے گھر پہنچ کر ہدایت و اصلاح کریں، خود ان کو یہ رائے کیوں نہیں دی جاتی کہ فلاں جگہ علماء (و مشائخ) موجود ہیں تم ان سے اپنی اصلاح کر لو۔

تیسرے کیا اسلام کی یہ خدمت صرف علماء ہی کے ذمہ ہے، دوسرے دنیا دار مسلمانوں کے ذمہ نہیں؟ یعنی ان کو بھی چاہئے کہ سمجھیں کہ علماء کو معاش سے فراغت نہیں، آپس میں کافی سرمایہ یعنی روپیہ جمع کر کے علماء کی ایک جماعت کو خاص اسی کام کے لئے مقرر کریں اور ان کی کافی مالی خدمت کر کے معاش سے ان کو مستغنی کریں، پھر وہ علماء معاش سے بے فکر ہو کر اس خدمت کو انجام دیں، جس طرح مشنری کے لوگ بڑے بڑے مشاہرے پارہے ہیں اور جا بجا لکچر دیتے اور رسائل تقسیم کرتے پھر رہے ہیں۔

اور ہمارے حضرات معترضین کو جو یہ اعتراض مذکور علماء پر سوچا ہے وہ انہیں مشنریوں کی مساعی کو دیکھ کر سوچا ہے، اور یہ اس وقت عام عادت ہو گئی ہے کہ اصل حقیقت میں غور نہیں کرتے، بس دوسری قوموں کے رسم و رواج کو اپنا رہنما بنا کر ان کی موافقت و مخالفت کو معیار استحصان و عدم استحصان کا قرار دیا ہے۔

چونکہ مشنری لوگ ایسا کر رہے ہیں اور علماء کو ایسا کرتے کم دیکھا ہے بس اعتراض کر دیا، علماء پر الزام دینے سے پہلے ہم یہ بھی تو دیکھ لیں کہ آیا ہمارے دنیا دار ان

کے دنیا داروں کے برابر بھی مالی اعانت کرتے ہیں یا نہیں، وہی مثل صادق ہے۔

حفظت شیئاً و غابت عنک اشیاء

البتہ اگر کوئی ایسا مقام (جنگل، جزیرہ) ثابت ہو جائے (جہاں اب تک اسلام کی تبلیغ نہیں ہو سکی) تو بیشک وہاں تبلیغ اسلام کے وجوب کا انکار نہیں، لیکن یہ وجوب علماء کے ساتھ خاص نہیں سب اہل اسلام پر اپنی اپنی وسعت کے بقدر واجب ہوگا۔
فرمایا: لوگ یہ کہتے ہیں کہ علماء ہمارے پاس آ کر ہمیں ہدایت (یعنی تبلیغ) کریں، میں نے اس کا جواب دیا کہ جب تبلیغ کی ضرورت نہیں رہی تو اب علماء کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ وہ لوگ گھروں پر جا کر ان کو ہدایت کریں نیز اس میں ان کی حاجت مندی کا شبہ ہو سکتا ہے۔

بس مناسب یہی ہے کہ علماء اپنے مکان (اور مستقر و مرکز) پر رہیں اور لوگ ان سے دینی باتیں دریافت کریں، سول سرجن (ڈاکٹر) پر کبھی آپ نے یہ اعتراض نہ کیا کہ سول سرجن صاحب شفیق نہیں، ہمارے پاس گھروں میں آ کر علاج نہیں کرتا، (پھر علماء پر اس قسم کا کیوں اعتراض کرتے ہو؟) ۲

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کن کن لوگوں پر

اور کس صورت میں واجب ہے؟

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ:

(۱) جو شخص امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر قادر ہو یعنی قرآن سے غالب گمان رکھتا ہو کہ اگر میں امر ونہی کروں گا تو مجھ کو کوئی ضرر معتد بہ لاحق نہ ہوگا (یعنی اس کی وجہ

سے ایسے حالات سے سابقہ نہ پڑے گا جس کا وہ تحمل نہ کر سکے، ایسی صورت میں) اس کے لئے امور واجبہ میں امر ونہی کرنا واجب ہے، اور امور مستحبہ میں مستحب۔
مثلاً نماز پنجگانہ فرض ہے تو ایسے شخص پر واجب ہوگا کہ بے نماز کو نصیحت کرے اور نوافل مستحب میں اس کو نصیحت کرنا مستحب ہوگا۔

(۲) اور جو شخص بالمعنی المذکور قادر نہ ہو (یعنی اس بات کا خطرہ اور ظن غالب ہو کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کروں گا تو لوگ میری ایذا کے درپے ہو جائیں گے اور ایسے حالات سے سابقہ پڑے گا جس کو میں برداشت نہ کر سکوں گا ایسی صورت میں) اس پر امر ونہی کرنا امور واجبہ میں بھی واجب نہیں البتہ اگر ہمت کرے تو ثواب ملے گا۔

(۳) پھر اس امر ونہی میں قادر کے لئے امور واجبہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر قدرت ہاتھ سے ہو (یعنی ہاتھ سے منع کرنے اور روکنے پر قادر ہو) تو ہاتھ سے اس کا انتظام واجب ہے، جیسے حکام محکومین کے اعتبار سے (یعنی حکومت کو اپنے ماتحت محکومین، رعایا اور پبلک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام اپنے ہاتھ اور قوت سے کرنا واجب ہے) یا ہر شخص خاص اپنے اہل و عیال کے اعتبار سے (یعنی گھر کے بڑے اور حاکم مثلاً عورت کا شوہر، بیٹوں کا باپ وغیرہ پر اپنی قدرت اور طاقت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا واجب ہے)

اور اگر صرف زبان سے قدرت ہو تو زبان سے کہنا واجب ہے۔
اور غیر قادر کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ تارکِ واجبات اور مرتکبِ محرمات (یعنی فرائض اور واجبات چھوڑنے والے سے اور حرام میں مبتلا شخص) سے دل سے نفرت رکھے۔

تبلیغ کے لئے علم کی شرط

(۴) پھر قادر کے لئے منجملہ شرائط کے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ (جس امر کی تبلیغ کرنے جا رہا ہے) اس امر کے متعلق شریعت کا پورا حکم اس کو معلوم ہو۔ علم کی شرط ہونے سے یہ معلوم ہو گیا کہ آج کل جو اکثر جاہل یا کالجیابل و عظ کہتے پھرتے ہیں اور بے دھڑک روایات و احکام بلا تحقیق بیان کرتے ہیں سخت گنہگار ہوتے ہیں، اور سامعین کو بھی ان کا وعظ سننا جائز نہیں۔

اور منجملہ آداب کے ایک ضروری ادب یہ ہے کہ مستحبات میں مطلقاً نرمی کرے اور واجبات میں اولاً نرمی کرے اور نہ ماننے پر سختی کرے۔

(۵) اور ایک تفصیل قدرت میں یہ ہے کہ دستی قدرت میں تو کبھی اس امر ونہی کا ترک جائز نہیں (یعنی جن کو حکومت حاصل ہو خواہ ملک میں خواہ گھر میں، ان کے لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر ترک کرنا جائز نہیں)۔

اور زبانی قدرت میں نفع سے مایوسی کے وقت ترک جائز ہے، لیکن مودت و مخالفت کا ترک بھی واجب ہے (یعنی ان سے دوستی، محبت اور میل جول رکھنا جائز نہیں) مگر بضرورت شدیدہ (یعنی مجبوری کی صورت میں جائز ہے)

(۶) پھر قادر (یعنی حاکم) کے ذمہ اس کا وجوب علی الکفایہ ہے، اگر اتنے آدمی اس کام کو کرتے ہوں کہ بقدر حاجت کام چل رہا ہو تو دوسرے اہل قدرت کے ذمہ سے ساقط ہو جاوے گا۔!

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کہیں واجب ہوتا ہے جہاں فاعل بے خبر ہو (یعنی اس کو گناہ کا گناہ ہونا معلوم نہ ہو) یا فاعل پر پوری قدرت ہو، یا قبول کی پوری توقع ہو ورنہ مستحب ہے۔

اور مجملہ اس کے آداب کے یہ ہے کہ اول خلوت (تنہائی) میں کہے اور نرمی سے کہے، اس کے بعد اگر مصلحت ہو علانیہ کہے، ورنہ سختی سے کہے ورنہ اعراض کرے اور دعاء کرے۔

جب نفع کی امید نہ ہو نہی عن المنکر کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۚ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَدِّبُهُمْ عَذَابًا

شَدِيدًا ط قَالُوا مَعذِرَةٌ أِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ (الاعراف آیت نمبر ۱۶۴)

(ترجمہ) اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا تھا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کئے جاتے ہو، جن کو اللہ تعالیٰ بالکل ہلاک کرنے والے ہیں یا ان کو سخت سزا دینے والے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور اس لئے کہ شاید ڈر جائیں۔

(فائدہ) مسئلہ یہ ہے کہ جب نفع کی امید نہ ہو، نہی عن المنکر کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے، تو قائلین اول نے یاس (ناامیدی) کی وجہ سے وعظ چھوڑ دیا اور قائلین ثانی کو امید تھی اس لئے وہ کرتے رہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ سائنسین کو بھی نجات رہی، اب بھی اسی بناء پر اہل طریق کا مذاق مختلف ہے، بعض اولین کے مشابہ ہے بعض دوسروں کے۔

تبلیغ کے بعد اصرار کی ضرورت نہیں

أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ (یونس آیت نمبر ۹۹)

(ترجمہ) سو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں جس میں وہ ایمان ہی لے آئیں۔

(فائدہ) اس میں دلالت سے کہ بعد تبلیغ کے درپے ہونے (یعنی پیچھے پڑنے

اور اصرار) کی ضرورت نہیں۔ (بیان القرآن)

۱۔ مسائل السلوک بیان القرآن ص ۲۰۷

أُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ
بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ط (انحل آیت نمبر ۱۲۵)

(ترجمہ) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ بلائیے اور ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بحث کیجئے۔

(فائدہ) اس میں اہل اللہ کے طریق دعوت کی تفصیل ہے اور وہ یہ کہ تبلیغ کے بعد اصرار کی ضرورت نہیں، اور یہی مذاق ہے اہل طریق کا۔

دعوت و تبلیغ میں کسی کے پیچھے پڑ جانے کے نقصانات

فرمایا: ایک تجربہ کی بات عرض کرتا ہوں جو نہایت نافع اور موثر ہے، وہ یہ کہ کسی کے درپے نہ ہونا چاہئے (یعنی پیچھے نہ پڑنا چاہئے) اس میں کئی خرابیاں ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ لوگوں کو غرض کا شبہ ہو جاتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اس صورت میں فریق بندی ہو جاتی ہے، پھر کوئی کام

نہیں ہو پاتا۔

(۳) تیسرے یہ کہ شروع میں تو نیت کے اندر خلوص ہوتا ہے، پھر جب بات

کی تیج ہو جاتی ہے تو نفسانیت بھی آ جاتی ہے، پھر ثواب بھی نہیں ہوتا، اس پر لوگوں کی نظر

کم ہو جاتی ہے، یہ ہے باریک بات، اور حکم خداندی بھی ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

أَمَّا مَنْ اسْتَغْنَى فَاَنْتَ لَهُ تَصَدَّى وَمَا عَلَيْكَ اَنْ لَا يَزَّكَّىٰ - (سورہ عبس پ ۳۰)

ترجمہ: جو شخص دین سے بے پروائی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں

حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے۔

استغناء کے وصف سے آپ کو اس سے تنفر دلانا ہے۔

تبلیغی جدوجہد سے اصل مقصود تو حق تعالیٰ کی رضا مندی ہے نہ کہ ثمرہ (اور کامیابی) اس کے لئے دعا کی بھی اجازت ہے، مگر مبالغہ کے ساتھ اس کے پیچھے مت پڑو، کہ ہو ہی جائے، اور نہ ہو تو رنج کر کے بیٹھ جاؤ، چنانچہ فَانْتَ لَهٗ، تَصَدَّىٰ اور لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ میں اس کی تعلیم ہے کہ آپ تبلیغ کرنے کے زیادہ پیچھے نہ پڑیے، وہ قبول کریں یا نہ کریں اس سے بحث نہ ہونا چاہئے، آپ اس کے درپے نہ ہوں، آپ کا کام رضاء حق حاصل کرنا ہے نہ کہ ثمرات، نہ وہ اختیاری ہیں اور نہ ان کا وعدہ کیا گیا ہے، اسی لئے ہم کو کسی کو مسلمان بنانے کا حکم نہیں، کیونکہ وہ دوسرے کے اختیار میں ہے۔

تبلیغ میں زیادہ کاوش اور ناکامی پر زیادہ رنج کرنے کی ممانعت

بڑی خرابی اس کاوش میں یہ ہے کہ اس غم کی وجہ سے طبیعت سست ہو جاتی ہے اور اس سے رفتہ رفتہ کوشش کرنے سے معطل اور بے کار ہو جاتا ہے تو غم کا جو منشاء تھا یعنی ناکامی وہ اور اچھی طرح واقع ہوتی ہے، اور شریعت کا مقتضی یہ ہے کہ مسلمان سست نہ ہونے پائیں، اس لئے زیادہ رنج مناسب نہیں، اور گورنج کو منع کرنے سے ظاہر میں شبہ ہوتا ہے کہ یہ تو شفقت کی کمی کی تعلیم معلوم ہوتی ہے، مگر اس کا راز یہ ہے کہ جب ایسی چیزوں کا غم کرو گے جو تمہارے قبضہ میں نہیں ہیں تو خواہنا سست ہو جاؤ گے، اور اس سے اصل کام میں خلل واقع ہوگا۔

(خلاصہ یہ کہ) ہم کو کوشش کرنا چاہئے اور نتیجہ کو خدا کے سپرد کرنا چاہئے، ناکامی پر مغموم (بددل اور رنجیدہ) نہ ہونا چاہئے، اور کامیابی پر اترانا نہیں چاہئے، کام شروع کر دو اس کے سب راستے کھل جائیں گے۔

غیر مسلموں کو اسلام کی تبلیغ

اور منجملہ اس امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے کفار کی تبلیغ بھی ہے خواہ بذریعہ تقریر اور خواہ بذریعہ تحریر، اپنے ملک کے کفار کو بھی اور دوسرے ملک کے کفار کو بھی، اور یہ (یعنی غیر مسلموں کو تبلیغ کرنا) احکام دینیہ کے عموم شیوع (یعنی عمومی پیمانے پر شائع ہو جانے) کی وجہ سے گواہی واجب نہیں رہا لیکن اگر کوئی ہمت کرے عین عزیمت ہے اور اس غرض کی تحصیل و تکمیل کے لئے اگر ان قوموں کی زبان بھی سیکھ لے تو بشرط خلوص نیت عین طاعت ہے جیسا اس وقت کوئی شخص انگریزی وغیرہ اسی غرض سے حاصل کرنا چاہے۔

تکمیل اسلام و تبلیغ اسلام دونوں ہی کی دعوت دینا چاہئے

جب اسلام ہی دین کامل ہے تو جن لوگوں کے پاس یہ نعمت نہیں ہے ان کے پاس بھی اس کو پہنچانا چاہئے، کیونکہ اول تو یہ بات مروءة و ہمدردی کے خلاف ہے کہ ایک نافع (سو مند) چیز سے خود ہی نفع اٹھایا جائے اور دوسروں کو محروم رکھا جائے، دوسرے ہم کو شرعاً بھی اس کا حکم ہے کہ جن لوگوں کو اسلام کی خوبیاں معلوم نہیں ان کے سامنے اس کے محاسن (خوبیاں اور اچھائیاں) کو بیان کریں (تا کہ ان کو اسلام کی طرف رغبت ہو)۔

تو اب دو قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ جن کے پاس اسلام کی نعمت ہے مگر ادھوری ہے، ان کو تو پورا مسلمان بنانے کی کوشش کی جائے، اس شعبہ کا نام میں تکمیل اسلام رکھتا ہوں، دوسرے وہ جن کے پاس یہ نعمت نہیں ہے، ان کو اسلام پہنچانا چاہئے، اس شعبہ کا نام میں تبلیغ اسلام رکھتا ہوں، اس میں بہت زمانہ سے مسلمان کو تا ہی کر رہے ہیں، اس فرض کو سب ہی نے بھلا دیا۔

۱۔ اشرف السوانح ص ۲۲۳ ج ۳ قدیم

ہماری یہ حالت ہے کہ بہت لوگ تو اس کو معمولی کام سمجھتے ہیں، اور جو لوگ اس کی ضرورت و مرتبہ کو سمجھتے ہیں وہ بھی ایسی جگہ جا کر تبلیغ کرتے ہیں جہاں ان کی خاطر مدارات ہوتی ہے، کفار میں جا کر کوئی تبلیغ نہیں کرتا، کیونکہ وہاں خاطر و مدارات کہاں، بلکہ بعض دفعہ تو برا بھلا سننا پڑتا ہے اس وجہ سے لوگ کفار کو تبلیغ کرتے ہوئے رکتے ہیں۔

موجودہ حالات میں مسلمانوں کو تبلیغ کی جائے یا غیر مسلموں کو؟

ایک صاحب نے عرض کیا کہ یہ تو مسلم ہے کہ دینیات کی تبلیغ ضروری ہے، لیکن یہ دریافت طلب ہے کہ اگر تبلیغ کی جائے تو غیر مسلموں کو (نہ کہ مسلمانوں کو) کیونکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ مسلمان تو جیسے بھی ہیں وہ تو کبھی نہ کبھی جنت میں پہنچ ہی جائیں گے، باقی رہے کفار، سو وہ تو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، کبھی ان کو دوزخ سے خلاصی نہ ہوگی لہذا کفار کے لئے اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ ان کو حق کی (یعنی اسلام کی) تبلیغ کی جائے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اصل میں تو مسلموں اور غیر مسلموں دونوں ہی کو تبلیغ کی ضرورت ہے اور جیسے اصول (اسلامی عقائد، توحید و رسالت) ضروری ہیں اسی طرح فروع (احکام و مسائل) پر بھی عمل ضروری ہے، تو ضرورت دونوں میں مشترک ہے گو دونوں کی ضرورت کے درجہ میں فرق ہے، مگر اس سے فروع کا غیر ضروری ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

البتہ اگر کوئی شخص دونوں کام نہ کر سکے تو ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس مقام پر مسلمانوں کو تبلیغ کرنے میں اصلاح کی زیادہ امید ہے یا غیر مسلموں میں تبلیغ کرنے میں ان غیر مسلموں کا زیادہ نفع ہے، بس جس صورت میں مخاطبین کے نفع کی زیادہ امید ہو، اس صورت کو اختیار کرنا زیادہ اچھا ہے۔

اور نفع کی زیادہ امید کے موقع کی ترجیح میں خود اپنی رائے سے نہیں دے رہا بلکہ

اس کا فیصلہ خود قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے، چنانچہ سورہ عبس..... میں ان نابینا صحابی ابن ام مکتوم کے واقعہ میں ان دونوں موقعوں کا ذکر فرمایا، اور ان دونوں موقعوں میں سے جس موقع میں نفع کی زیادہ امید تھی، اس کو ترجیح دی گئی ہے۔

یعنی سورہ عبس میں ایک تو اس موقع کا ذکر ہے جو موقع کفار کی تبلیغ کا تھا، کیونکہ کفار (غیر مسلموں) کے بعض سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، ان کو اصول (توحید و رسالت) کی تبلیغ کی ضرورت تھی تو گو وہ موقع اصول کی تبلیغ کا تھا مگر وہاں نفع یقینی نہ تھا۔

اور دوسرا موقع ان نابینا صحابی کو تبلیغ کا تھا اور وہ یہ موقع فروع (یعنی فضائل و مسائل) کی تبلیغ کا تھا، مگر یہاں مخاطب کے نفع کا یقین تھا، اس لئے ان نابینا صحابی کی تبلیغ کو ان کفار کی تبلیغ پر ترجیح دی گئی۔

غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کا طریقہ

اسلام میں دو چیزیں ہیں، اصول و فروع، عقائد کو اصول کہتے ہیں اور اعمال کو فروع، اور اس پر سب عقلاء کا اتفاق ہے کہ ہر مذہب کی خوبی کا مدار اس کے اصول کی پاکیزگی پر ہے، جس کے اصول پاکیزہ اور حق ہیں اس کے فروع بھی پاکیزہ ہوں گے، اس لئے مخالفین کے سامنے ہم کو سب سے پہلے اسلام کے اصول کی پاکیزگی ثابت کرنا چاہیے کیونکہ اصول عقلی ہوتے ہیں ان پر عقلی دلائل قائم کر کے فریق مخالف پر حجت قائم کر سکتے ہیں، اور فروع کا عقلی ہونا لازم نہیں، یعنی یہ ضروری نہیں کہ ان کا ثبوت عقل سے ہو بلکہ بہت سے فروع عقل سے ثابت ہوتے ہیں، ہاں یہ ضروری ہے کہ فروع عقل کے خلاف نہ ہوں، سو بجز اللہ اسلام کے اصول سب عقلی ہیں اور فروع عقل کے خلاف نہیں۔

پس سب سے پہلے کفار کے سامنے توحید و رسالت کو ثابت کیا جائے، جب وہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کر لیں گے تو اس کے بعد جس فرعی مسئلہ کی وہ دلیل مانگیں اس کے جواب میں اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فلاں ارشاد سے ثابت ہے خواہ صراحتاً یا دلالتاً، اس کے بعد اگر وہ یہ کہے کہ یہ حکم عقل کے خلاف ہے تو ہمارے ذمہ اس کو ثابت کرنا ہوگا کہ یہ حکم عقل کے خلاف نہیں ہے کیونکہ خلاف عقل محال ہوتا ہے یا قبیح، اور یہ حکم نہ محال ہے نہ اس میں کوئی قباحت ہے۔ اگر کافر سے دفعۃً (یکبارگی) یہ کہا جائے کہ اسلام لے آؤ تو اس سے گھبرا جائے گا، پس حق تعالیٰ نے وعظ و تبلیغ کا طریقہ بتلایا ہے کہ نصیحت کے وقت پہلے مخاطب سے یوں کہو کہ آؤ، ہم تم کو ایک سچی بات بتلائیں کہ اس عالم کا پیدا کرنے والا ایک ہے اس کے وجود کو ماننا چاہیے، جب اس نے اس کو مان لیا تو اب یہ کہو کہ وہ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے، اس کا علم ایسا ہے، قدرت ایسی ہونا چاہیے، اس کو شرکت و مساوات اور تمام عیوب سے پاک ہونا چاہئے، ان باتوں کو سب مانیں گے۔

اس کے بعد اس سے کہو کہ پھر دیکھو کہ صانع عالم (دنیا کو پیدا کرنے والے) کی توحید اور تعظیم اس کی شان کے لائق کس مذہب میں ہے؟ یقیناً اسلام کے سوا کسی مذہب میں یہ بات نہیں، اب اس سے کہو کہ تم کو اسلام لانا چاہئے، کیونکہ اسلام ہی میں ان باتوں کی بخوبی تعلیم دی گئی ہے، اس طرح مخاطب کو ذرا بھی وحشت نہ ہوگی، اور اگر دوسرے شخص کو شرعی اصطلاحوں میں نصیحت کرو گے (مثلاً کافر سے یہ کہا جائے کہ اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام لے آؤ) تو اس کو وحشت ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کرو، جنگ و جدال بحث و مباحثہ کی ضرورت نہیں، کیا اس کے محاسن کم ہیں جو ان کو چھوڑ کر جنگ و جدال میں مشغول ہوں، اس کے حسن ہی کے بیان کرنے سے فرصت نہیں مل سکتی پھر لڑائی جھگڑے کی فرصت کب مل سکتی ہے۔

۱۔ محاسن الاسلام ص ۳۰۰ ۲۔ التوحی بالحق لمحقد دعوت و تبلیغ ص ۱۶۸ ۳۔ الاتمام لعلمۃ الاسلام ص ۶۷

ماخذ و مراجع

اس کتاب کی ترتیب میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے

ان کی فہرست

- | | |
|---|---|
| (۱) ابن کثیر | (۱۸) بخاری شریف |
| (۲) ابن ماجہ | (۱۹) بذل المجہود شرح ابوداؤد |
| (۳) ابوداؤد | (۲۰) بوادر النوادر (رسائل تھانویؒ) |
| (۴) الاتمام للعمۃ الاسلام (وعظ حضرت تھانویؒ) | (۲۱) بیان القرآن (تفسیر حضرت تھانویؒ) |
| (۵) احکام العشر الاخیرہ (وعظ حضرت تھانویؒ) | (۲۲) تجرید معاشیات (مضامین تھانویؒ) |
| (۶) احکام الممال (افادات تھانویؒ) | (۲۳) تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی |
| (۷) احیاء العلوم | (۲۴) تدبیر و توکل (موعظ تھانویؒ) |
| (۸) آداب التبلیغ | (۲۵) ترمذی شریف |
| (۹) ارشادات حکیم الامت | (۲۶) تسہیل الموعظ (حضرت تھانویؒ) |
| (۱۰) ارضاء الحق (وعظ تھانویؒ) | (۲۷) تعلیم الدین (حضرت تھانویؒ) |
| (۱۱) اسلام اور جدید معاشی مسائل (تقی عثمانی) | (۲۸) الکشف (حضرت تھانویؒ) |
| (۱۲) اشرف السوانح | (۲۹) التواصی بالحق (وعظ حضرت تھانویؒ) |
| (۱۳) الاصابہ فی معنی الاجابہ (وعظ حضرت تھانویؒ) | (۳۰) التوکل (وعظ حضرت تھانویؒ) |
| (۱۴) الافاضات الیومیہ (ملفوظات حضرت تھانویؒ) | (۳۱) الجامع الفرید (مجموعہ رسائل ابن تیمیہ) |
| (۱۵) افناء المحبوب (وعظ تھانویؒ) | (۳۲) الجناح (وعظ حضرت تھانویؒ) |
| (۱۶) انفاس عیسیٰ (افادات حضرت تھانویؒ) | (۳۳) حجۃ اللہ البالغہ (حضرت شاہ ولی اللہؒ) |
| (۱۷) البدرائع (مقالات تھانویؒ) | (۳۴) حیات المسلمین (حضرت تھانویؒ) |

- (۳۵) حقوق و فرائض (مواعظ حضرت تھانویؒ) (۵۷) فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ بزازیہ
- (۳۶) حسن العزیز (ملفوظات حضرت تھانویؒ) (۵۸) فتح الباری شرح بخاری
- (۲۷) خیر المال للرجال (وعظ حضرت تھانویؒ) (۵۹) فتح الملہم شرح مسلم
- (۳۸) درس ترمذی (مولانا محمد تقی عثمانی) (۶۰) الفصل والانفصال (وعظ حضرت تھانویؒ)
- (۳۹) دعوت و تبلیغ (مواعظ حضرت تھانویؒ) (۶۱) قرطبی
- (۴۰) رسائل ابن ابی الدنیا
- (۴۱) زاد المعاد (ابن قیم)
- (۶۲) کتاب الکسب (امام محمدؒ)
- (۶۳) کساء النساء (وعظ حضرت تھانویؒ)
- (۴۲) زرقاتی (شرح موطا)
- (۶۴) کمالات اشرفیہ (ملفوظات تھانویؒ)
- (۴۳) سبیل النجاح (وعظ حضرت تھانویؒ)
- (۶۵) المدخل (ابن الحاج مالکیؒ)
- (۴۴) سفر در سفر (سفر نامہ مولانا محمد تقی صاحب مدظلہ)
- (۶۶) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ
- (۴۵) سیرت ابن ہشام
- (۶۷) مسائل السلوک (حضرت تھانویؒ)
- (۴۶) سیرت الصوفی (وعظ حضرت تھانویؒ)
- (۶۸) مسلم شریف (۶۹) مسند احمد
- (۴۷) شرح عقائد
- (۷۰) معارف القرآن (مفتی محمد شفیع صاحبؒ)
- (۴۸) ضرورت تبلیغ (وعظ حضرت تھانویؒ)
- (۷۱) مکاتیب مولانا الیاس صاحبؒ
- (۴۹) الطب النبوی (ابن قیم)
- (۷۲) ملفوظات مولانا الیاس صاحبؒ
- (۵۰) العبد الربانی (وعظ حضرت تھانویؒ)
- (۷۳) مکتوبات وارشادات (۷۴) منتخب احادیث
- (۵۱) علو العباد (وعظ حضرت تھانویؒ)
- (۷۵) مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت
- (۵۲) علم و علماء کی فضیلت (حکیم اختر صاحبؒ)
- (۷۶) مہمات الدعاء (وعظ حضرت تھانویؒ)
- (۵۳) العبرہ (وعظ حضرت تھانویؒ)
- (۷۷) نبراس شرح شرح عقائد
- (۵۴) عمدۃ القاری شرح بخاری
- (۷۸) نبی رحمت (مولانا علی میاں ندوی)
- (۵۵) فتاویٰ ابن تیمیہ
- (۷۹) نسائی شریف
- (۵۶) الفتاویٰ للجنہ الدائمہ
- (۸۰) نیل الاوطار (علامہ شوکانیؒ)

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصنیفات و تعلیمات کی اہمیت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کی نظر میں

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:

”حضرت مولانا تھانویؒ نے بہت بڑا کام کیا ہے، بس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی ہو اور طریقہ تبلیغ میرا ہو کہ ان کی تعلیم عام ہو جائے گی۔

نیز ارشاد فرماتے ہیں:

یہ مضمون آج کل پھیلا یا جائے کہ حضرت تھانویؒ سے تعلق بڑھانے، حضرت کی برکات سے استفادہ کرنے اور ساتھ ہی حضرت کے ترقی درجات کی کوششوں میں حصہ لینے اور حضرت تھانویؒ کی روح کی مسرتوں کو بڑھانے کا سب سے اعلیٰ اور محکم ذریعہ یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ کی تعلیماتِ حقہ اور ہدایات پر استقامت کی جائے اور ان کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کی جائے۔

نیز تبلیغی کارکنوں کے لئے ایک مکتوب میں جو پندرہ ہدایتوں پر مشتمل ہے اس کی ہدایت نمبر ۸ و ۹ میں تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت تھانویؒ کے لئے ایصالِ ثواب کا بہت اہتمام کیا جائے ہر طرح کی خیر سے ان کو ثواب پہنچایا جائے..... حضرت تھانویؒ سے منتفع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی محبت ہو اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے منتفع ہو جائے، ان کی کتابوں کے مطالعہ سے علم آوے گا، اور ان کے آدمیوں سے عمل“۔

۱۔ ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مختصر اَص ۵۸ و ۹۶ ملفوظ نمبر ۵۶ و ۵۷

۲۔ مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب نَص ۱۳۷ و ۱۳۸ مطبوعہ دہلی

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے علوم و معارف اور تحقیقات

و افادات کے متعلق علامہ سید سلیمان ندویؒ کا اظہار خیال اور

حضرت تھانویؒ کی علامہ سید سلیمان ندویؒ کو وصیت

علامہ سید سلیمان ندوی اپنے آخری سفر تھانہ بھون کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا مسعود عالم ندوی کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت میں ۱۱ جولائی کو رخصت ہو کر بھوپال روانہ ہوا، چلتے وقت ارشاد ہوا جاؤ خدا کے سپرد کیا،۔۔۔۔ اور ارشاد ہوا کہ میری کتابوں کے اقتباسات رسالوں اور کتابوں کی صورت میں شائع کرو، یہ گویا میری آئندہ تکمیل کی راہ بتائی گئی۔ (مکاتیب سید سلیمان ص ۱۴۶)

حضرت عارف باللہ جناب ڈاکٹر عبدالحی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی آخری ملاقات میں علامہ سید سلیمان ندویؒ سے ارشاد فرمایا تھا: میری تصانیف سے انتخابات شائع کرتے رہنا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

بڑی ضرورت تھی کہ اس اصلاح و تجدید کے خاکے کو جس کو ایک مصلح وقت اپنی تصنیفات و رسائل میں سپرد کر گیا ہے اور جن پر زبان کی کہنگی اور طریق ادا کی قدامت کا پردہ پڑا ہے، ان کو موجودہ زمانہ کے مذاق اور تقریر و تحریر کے نئے انداز کی روشنی میں اجاگر کیا جائے۔

اکابر علماء کے تاثرات

اس جامعیت کے ساتھ اب تک کام نہیں ہوا تھا

تاثرات حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوئیؒ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حکیم الامت حضرت مولانا مقتدانا الشاہ اشرف علی تھانویؒ کے بارے میں بزمانہ طالب علمی اکابر امت نے اس کا اندازہ لگایا تھا کہ آگے چل کر مسند ارشاد پر متمکن ہو کر مرجع خلائق ہوں گے اور ہر عام و خاص ان کے فیوض و برکات سے متمتع ہوں گے، چنانچہ حضرت اقدس کے کارہائے نمایاں نے اساطین امت کے اس خیال کی تصدیق کی، کہنے والے نے سچ کہا ہے: ”قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید“

خداوند قدوس نے حضرت والا کو تجدید اور احیاء سنت کے جس اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا تھا اس کی اس دور میں نظیر نہیں، آج بھی مخلوق حضرت کی تصنیفات و ارشادات عالیہ اور مواضع حسنہ سے فیضیاب ہو رہی ہے۔

حضرت کے علوم و معارف کے سلسلہ میں مختلف عنوان سے ہندوپاک میں کام ہو رہا ہے، لیکن بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے عزیزی مولوی مفتی محمد زید سلمہ، مدرس جامعہ عربیہ ہتورا کو جس نرالے انداز سے کام کی توفیق عطا فرمائی اس جامعیت کے ساتھ ابھی تک کام نہیں ہوا تھا، اس سلسلہ کی (سات) درجن سے زائد ان کی تصانیف ہیں، بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اس کو قبولیت تامہ عطا فرمائے اور مزید توفیق نصیب فرمائے۔

احقر صدیق احمد غفرلہ خادم جامعہ عربیہ باندہ (یوپی)

حضرت تھانویؒ کے علوم و معارف کا دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا)

تاثرات مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

فاضل عزیز مولوی محمد زید مظاہری ندوی مدرس جامعہ عربیہ ہتورا (بارک اللہ فی حیاتہ و فی افادتہ) نے جو حضرت حکیم الامت کے افادات و ارشادات اور تحقیقات و نظریات کو مختلف عنوانوں اور موضوعات کے ماتحت اس طرح جمع کر رہے ہیں کہ حضرت کے علوم و افادات کا ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) تیار ہوتا جا رہا ہے۔۔۔۔۔

ان خصوصیات اور افادیت کی بنا پر عزیز گرامی قدر مولوی محمد زید مظاہری ندوی نہ صرف تھانوی اور دیوبندی حلقہ کی طرف سے بلکہ تمام سلیم الطبع اور صحیح الفکر حق شناسوں اور قدر دانوں کی طرف سے بھی شکر یہ اور دعاء کے مستحق ہیں۔

اور اسی کے ساتھ اور اس سے کچھ زیادہ ہی داعی الی اللہ اور عالم ربانی مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی سرپرست جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی) اس سے زیادہ شکر یہ اور دعاء کے مستحق ہیں جن کی سرپرستی اور نگرانی ہمت افزائی اور قدر دانی کے سایہ میں ایسے مفید اور قابل قدر کام اور ان کے زیر اہتمام دانش گاہ اور تربیت میں انجام پارہے ہیں۔ اطلال اللہ بقائہ و ععم نفعہ جزاہ اللہ خیرا۔

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلی

۱۷/۱۵/۱۴۱۵ھ

مبارک سلسلہ اور سلیقے کا کام

ان کتابوں کو ضرور پڑھنا چاہئے

رائے عالی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی کو اللہ تعالیٰ نے بزرگوں سے تعلق اور ان کے ملفوظات و ہدایات کو ان کی افادیت کے پیش نظر مرتب کرنے اور جمع کرنے سے خصوصی دلچسپی عطاء فرمائی ہے، چنانچہ انہوں نے بزرگوں کے افادات کو مختلف رسالوں اور کتابوں کی صورت میں جمع کیا ہے اور یہ کام اس سلیقہ سے کیا ہے کہ اس میں تحقیقی و علمی انداز بھی پایا جاتا ہے اور دینی و تربیتی مقصد بھی پورا ہوتا ہے۔

ہم کو مسرت ہے کہ مولانا مفتی محمد زید صاحب جنہوں نے حضرت تھانویؒ کے ملفوظات اور اصلاح و ارشاد کے سلسلے میں مختلف نوعیتوں کی وضاحت پر مشتمل مضامین کو علیحدہ علیحدہ شائع کرنے کا ایک مبارک سلسلہ میں شروع کیا ہے۔

مولانا زید صاحب نے دینی افادات کا، اصلاح دین کا حامل بہت مفید لٹریچر جمع کر دیا ہے، اصلاح باطن و درستگی احوال کے لئے یہ انتخاب اور لٹریچر انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔

مفتی محمد زید صاحب کے یہ علمی کوششیں قابل ستائش ہیں جو ایک طرف تو ایک اچھا علمی کام ہے اور دوسری طرف اس کی دینی و اخلاقی افادیت ہے۔

(مکتوب گرامی)..... آپ کی مرسلہ تصانیف پہنچیں، آپ نے مفید سلسلہ تیار کیا ہے، علمی زندگی گزارنے والے حضرت خواہ وہ منتہی یا متوسط طالب علوم دین

ہوں، خواہ ان کے عام مدرسین، سب کے لئے فقہ، افتاء و آداب متعلم و معلم کے موضوعات پر یہ تین کتابیں جو مجھ کو آپ سے موصول ہوئیں، یہ تینوں کتابیں میرے نزدیک بہت مفید ہیں، مدارس میں درس و تدریس یا فقہ و افتاء کا کام کرنے والوں کو ضرور پڑھنا چاہئے ان سے ایک طالب علم اور ایک معلم کے جو اخلاق و سیرت و کردار ہونا چاہئے اور اس میں اپنے مقصد کے لئے جو اخلاق و احتیاط ہونا چاہئے اور اس دینی و تربیتی کام کے لئے جو ہمت و حوصلہ و تقویٰ ہونا چاہئے اس کی بڑی خوبی کے ساتھ رہنمائی کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس کا نفع عام فرمائے۔

دعاء گو محمد رابع ندوی ۲۸/۲/۱۴۱۲ھ

جدت و قدامت کا سنگم

اظہار خیال

مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا محمد زید مظاہری ندوی کی جدت و قدامت نے انہیں دو آتشہ بنا دیا ہے، یعنی طرز قدیم کے بزرگوں کے ایک ایک ملفوظ کی تحقیق و ترتیب جدید میں مصروف ہیں، اور جدید وسائل کتابت و طباعت سے کام لے کر اپنی تصنیفی خدمات کو انہوں نے تحقیقی مقام تک بھی پہنچا دیا ہے، اور دیدہ زیب بھی بنا دیا ہے۔

مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی کا تعارف ہی اہل علم میں حضرت تھانویؒ کی نسبت سے ہے، اس میں شک نہیں کہ تھانویؒ علوم معارف کی نسبت سے وہ کسی ”مختص“ اور ”ڈاکٹر“ سے کم نہیں، یقیناً تھانویؒ علوم کی ترتیب و تحقیق پر انہیں پی، ایچ، ڈی کی ڈگری ملنی چاہئے۔